اکادمی ادبیات پاکستان
پاکستانی ادب کے معمار
PAKISTAN ACADEMY OF LETTERS
قلندر مومند: شخصیت اور فن
پروفیسر محمد زبیر حسرت

پاکستانی ادب کے معمار

قلندر مومند
شخصیت اور فن

پر و فیسر محمد زبیر حسرت

اکادمی ادبیات پاکستان

نگرانِ اعلیٰ	افتخار عارف
منتظم	محمد انور خان
تدوین و طباعت	سعیدہ درانی
سکیچ	احمد حبیب
اشاعت	2007
تعداد	500
ناشر	اکادمی ادبیات پاکستان، H-8/1، اسلام آباد
مطبع	پوسٹ آفس فاؤنڈیشن پریس، اسلام آباد
قیمت	مجلد:-/175 روپے پیپر بیک:-/165 روپے

ISBN: 978-969-472-204-7

پیشِ نظر کتاب ہمارے واٹس ایپ گروپ کے سکالرز کی طلب پہ سافٹ میں تبدیل کی گئی ہے۔ مصنفِ کتاب کے لیے نیک خواہشات کے ساتھ سافٹ بنانے والوں کے حق میں دعائے خیر کی استدعا ہے۔

زیرِ نظر کتاب فیس بک گروپ "کتب خانہ" میں بھی اپلوڈ کر دی گئی ہے۔
گروپ کا لنک ملاحظہ کیجیے :

https://www.facebook.com/groups/1144796425720955/?ref=share

میر ظہیر عباس روستمانی

03072128068

فہرست

پیش نامہ

اکادمی ادبیات پاکستان نے 1990 میں پاکستانی زبانوں کے ممتاز تخلیق کاروں کے بارے میں "پاکستانی ادب کے معمار" کے عنوان سے ایک اشاعتی منصوبے پر کام شروع کیا تھا۔ معماران ادب کے احوال و آثار کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانے کے لیے یہ کتابی سلسلہ بہت مفید خدمات انجام دے رہا ہے۔ اکادمی، پاکستان کی تمام زبانوں کے نامور ادیبوں، شاعروں، افسانہ نگاروں اور نقادوں کے بارے میں کتابیں شائع کر رہی ہے۔

قلندر مومند صرف نام نہیں بلکہ ایک ادبی مکتب ہیں۔ یہ کتاب قلندر مومند کی شخصیت اور فن کے مختلف پہلوؤں پر مشتمل ہے۔ قلندر مومند بطور شاعر، ادیب، دانشور، افسانہ نگار، ناقد، محقق، مترجم، صحافی، ماہر لسانیات اور ماہر سیاسیات جیسی مختلف حیثیات سے پہچانے جاتے ہیں۔ ان کا پشتو زبان کے علاوہ فارسی، انگریزی اور اردو زبان و ادب میں انتہائی وسیع مطالعہ تھا۔ وہ پشتو ادب میں بھی عالمی ادبی اقدار کو متعارف کرانا چاہتے تھے۔ ساری زندگی انہوں نے پشتو زبان و ادب کی ترقی اور پشتو میں نئے ادبی رجحانات کو رواج دینے کی خاطر بہت محنت اور تسلسل کے ساتھ کام کیا۔

پیش نظر کتاب "قلندر مومند: شخصیت اور فن" ملک کے معروف محقق پروفیسر محمد زبیر حسرت نے بڑی توجہ اور محنت سے تحریر کی ہے۔ یہ کتاب قلندر مومند کی شخصیت اور فن کو متعارف کرانے اور ان کے کام کو سمجھنے، سمجھانے میں یقیناً معاون ثابت ہوگی۔

مجھے یقین ہے کہ اکادمی ادبیات پاکستان کا اشاعتی منصوبہ "پاکستانی ادب کے معمار" ادبی حلقوں کے علاوہ عوامی سطح پر بھی پسند کیا جائے گا۔

افتخار عارف

پیش لفظ

ادب دوستوں کے لئے جناب قلندر مومند کی زندگی کھلی کتاب کی مانند ہے۔ ان کی خدمات شیدایان ادب کے لئے مشعل راہ ہیں۔ انھوں نے پشتو زبان وادب کو ہر حوالے سے نکھارنے سنوارنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ چنانچہ جب صدر نشین اکادمی ادبیات پاکستان جناب افتخار عارف صاحب کی طرف سے ان کی شخصیت اور فن پر کتاب مرتب کرنے کی دعوت ملی تو میری خوشی کی انتہا نہ رہی کہ اس طرح پشتو ادب کے محسن اور مشفق استاد، محترم قلندر مومند کا وہ حق بھی کسی طور ادا ہو سکے گا جو مجھ جیسے ادب کے طالبعلموں پر ان کا بنتا ہے تو دوسری طرف اکادمی ادبیات جیسے اہم قومی ادارے کے زیر اہتمام شائع ہونے والی یہ ادبی دستاویز میرے لئے یقیناً ایک اعزاز ہوگا۔ اس کے لئے جناب افتخار عارف صاحب کا از حد احسان مند ہوں۔

موضوع کی اہمیت وافادیت کے پیش نظر جناب داور خان داؤد، جناب درویش درانی۔ محمود ایاز اور فیض الوھاب فیض کے مقالوں کے تراجم بھی کتاب میں شامل کئے ہیں۔ میں ان تمام دوستوں کا شکر گزار ہوں۔ ان کے علاوہ محترمہ سعیدہ درانی، عبداللہ جان عابد، جناب هارون الرشید خٹک۔ میاں طیف شاہ شاہد۔ عبدالرؤف عارف اور جناب فرھاد محمد غالب ترین کا شکریہ ادا کرنا بھی مجھ پر واجب ہے جنھوں نے اس کام میں میری مدد و رھنمائی کی۔ اللہ انہیں جزائے خیر دے۔ (امین)۔

پروفیسر محمد زبیر حسرت

زما ژوند نه ختمېدونکې حرکت دے
زما روح یوه لمبه ده حرارت دے
زما دین مینه الفت دے محبت دے
سیاست مې هر جابر ختې نفرت دے

ترجمہ:

میری زندگی سفر ناتمام ہے
میری روح اک شعلہ جوالہ ہے، حرارت ہے
میرا دین پیار ہے الفت و محبت ہے
میری سیاست، ہر جابر سے نفرت ہے

(قلندر مومند)

SECOND TO NONE

قلندر مومند کا غائبانہ تعارف میرے ساتھ 1977 میں ہوا تھا۔ اس وقت میں نویں جماعت کا طالبعلم تھا میں سکول کی لائبریری سے ان کی کتاب "نظمیات" جو ارسطو کی "Poetics" کا ترجمہ اور اس پر تبصرہ ہے لا کر پڑھا تھا۔ میں نے کہیں پڑھا تھا کہ جس نے ارسطو کی "Poetics" نہیں پڑھی اسکا مطالعہ ادھورا ہے۔ ہر چند کہ ان دنوں میرا مطالعہ کچھ خاص نہیں تھا لیکن مجھے اپنا مطالعہ پورا نظر آتا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ اب بھی صورتحال کچھ مختلف نہیں۔ بعدازاں میں نے دسویں جماعت میں سال 1978 میں انکا شعری مجموعہ "صباؤن" (سحر) پڑھا تو ایک معمولی قاری کی حیثیت سے انکے ساتھ تعارف میں تھوڑا اضافہ ہوا اس غائبانہ تعارف اور ادبی رشتہ کے حوالے سے سال 1982 میں اپنا شعری مجموعہ "ذ خیال پہ سیوری" سوغات کے طور پر ان کو گومل یونیورسٹی بھیجا یہ غالبا سال 1984 کی بات ہے ڈکشنری پراجیکٹ کے دفتر واقع جگن ناتھ پورہ پشاور میں بسلسہ ملازمت ان کے ساتھ میری پہلی ملاقات ہوئی۔ نظر بھر دیکھا تو محسوس ہوا کہ اس شخص کو برسوں سے جانتا ہوں۔ دل موہ لینے والا چہرہ گندمی رنگ جو خون کی سرخی کیوجہ سے سانولا دکھائی دیتا تھا، ستواں ناک پر ہلکے سے داغ، دبیز شیشوں والی عینک پہنے، شانوں پر پڑے کالے سفید بال، سیاہ داڑھی جو گھنی مونچھوں کے ساتھ ساتھ کچھ سفید بھی تھی۔۔ توانا جسم، مضبوط بازو، برابر قد، پشتونوں کا معزز روایتی لباس قمیص شلوار، سادہ اور کھلے بازو گول، سردیوں میں اونی سویٹر اور پشاوری واسکٹ زیب تن کئے ہوئے۔ اگلے وقتوں میں کوٹ پتلون بھی پہنا کرتے تھے اور میں نے تھری پیس سوٹ میں ملبوس اس کی تصویر بھی دیکھی تھی جس میں انکے ساتھ پختونوں کے بزرگ رہنما باچا خان بھی بیٹھے ہیں۔ یہ بے ریش قلندر میں نے سکول کے زمانے میں ٹی وی کے ایک پشتو پروگرام میں دیکھا تھا پھر "انقلاب" کے ماہنامہ ایڈیشن میں جوڑائیں پاؤں میں تکلیف کے باعث چھڑی ہاتھ میں لئے پھرتے تھے 63 سال کی عمر میں انکی صحت ماشاءاللہ اتنی اچھی ہے کہ اسکو چھڑی پکڑنے کی ضرورت نہیں۔ جب میں نے غور سے دیکھا تو یہی سمجھا کہ کامل صاحب کی لکھی ہوئی کتاب "رحمان بابا" سے کسی نے رحمان بابا کو اتار کر میرے سامنے لاکر بٹھادیا ہے۔

رحمان بابا، کامل مومند اور قلندر مومند میں کئی قدریں مشترک ہیں تینوں مومند ہیں اور تینوں کا عقیدہ ہے:

"میں عاشق ہوں اور میرا سروکار عشق سے ہے
نہ خلیل ہوں نہ داوودزے اور نہ مومند"

دوسری بات یہ کہ تینوں شعروشاعری سے شغف رکھتے ہیں اور تیسری بات یہ کہ تینوں اپنے اپنے دور کی نامور شخصیات ہیں اور گہری نظر سے دیکھا جائے تو تینوں تقریباً ہم شکل بھی ہیں (صرف رحمان بابا کی فرضی تصویر کے حوالے سے) میری پہلی ملاقات قلندر مومند سے ان کے دفتر میں ہوئی۔ آپ کو ان دنوں شوگر کی شکایت تھی۔ ڈاکٹروں نے دیگر ادویات کے ساتھ ساتھ چنے بھی تجویز کئے تھے۔ چنانچہ وقفے وقفے سے چنے کے دانے منہ میں ڈالتے رہے۔ مجھے بھی چنے پیش کئے لیکن میں نے ہاتھ کے اشارے سے ان کا شکریہ ادا کیا۔ البتہ ماحول کی مناسبت سے کاکا جی صنوبر حسین مومند کا ایک شعر ذہن میں گھوم گیا۔ "ذ مفلس حسن به یو موتی جنو خی" (مفلس کا حسن مٹھی بھر چنوں کے عوض بکتا ہے) تاہم اس بالمشافہ ملاقات کے بعد ان سے ملاقاتوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوا جو ان کے آخری دم تک جاری رہا اور اس طرح مجھ پر ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے نئے نئے انکشافات کے در کھلتے رہے۔ وہ جس مجلس میں بھی بیٹھے ہوتے کیا مجال کوئی تنگی محسوس کرے۔ ان کی شیریں گفتاری کی وجہ سے ہر کوئی محظوظ ہوتا۔ ان کے چٹکاروں سے محفل زعفران زار بن جاتی۔ ایک دن (مرکہ) کے تنقیدی اجلاس کے بعد غیر طرحی مشاعرہ میں جناب اظہار نے غزل سنانے سے پہلے وضاحت کی کہ یہ غزل میں نے اباسین کی زمین پر لکھی ہے تو قلندر مومند نے بے ساختہ کہا:

"شعروشاعری میں جاگیرداری نظام کہاں سے آیا؟"

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ قلندر مومند کبھی کبھار ناحق الجھ جاتے ہیں رات کو دن کہتے ہیں اور جب ایک بار رات کو دن کہہ دیں تو پھر کوئی انہیں اپنی بات سے نہیں روک سکتا لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ ان کی شخصیت کا منفی پہلو نہیں ہے یہ ان کی علمیت اور وسیع مطالعے کی برکت ہے کہ ان کے پاس ہر موضوع کے لئے حمایت اور مخالفت میں اتنے دلائل موجود ہوتے ہیں کہ دوسروں کو قائل کر سکتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اکثر کو وہ انتہا پسند اور ضدی آدمی دکھائی دیتے ہیں۔ میں مانتا ہوں کہ ان میں لچک نہیں وہ خودسر اور سرتیز ہے میں مانتا ہوں کہ وہ اپنی بات سے پیچھے نہیں ہٹتا لیکن اگر مخالف کے پاس ان کی دلیل کا جواب ہو اور جواز رکھتا ہو تو سوال پیدا نہیں ہوتا کہ وہ اپنی بات پر اڑ جائے کیونکہ وہ جاہل نہیں ایک عالم ہے اور یہ عالم کا شیوہ نہیں۔

یہ بھی ان کا اصول ہے کہ وہ رکشہ والے کو گھر سے سوئیکارنو چوک تک پورے 6 روپے (سکہ رائج

الوقت) دیتے ہیں۔ کوئی ان کے ساتھ اس ریٹ پر چلے یا نہیں لیکن وہ اس سے زیادہ ایک دمڑی بھی نہیں دیتے۔ ایک دن اجلاس کے بعد میں ان کے ساتھ ان کے گھر آ رہا تھا تو مجھے کہا کہ اگر 6 روپے سے زیادہ کرایہ طے کیا تو باقی اپنی جیب سے دینے ہونگے۔ معلوم نہیں وہ کونسا دن تھا یا میرے ایک روپے کی شامت آئی تھی میں نے سات روپے میں بات طے کی کیونکہ چھ روپے میں کوئی جانے کو راضی نہ تھا جب قلندر صاحب رکشہ میں بیٹھے تو ڈرائیور سے بحث شروع کی اور اس دوران اسکو یہ بھی کہا کہ میں نے آپ لوگوں کے لئے چھ سال جیل بھی کاٹی ہے۔ اس بیچارے نے اپنی داستان سنانی شروع کی اور اپنی مجبوریوں، بے بسی، مہنگائی، اور پولیس والوں کی بیجا تنگ کرنے کی فریاد کی تو فوراً ڈرائیور کو کہا کہ کوئی پولیس والا اگر آپ کے ساتھ زیادتی کرے تو یہ میرا گھر ہے سیدھا یہاں آنا پھر میں جانوں اور وہ پولیس والا۔ رکشہ والا بہت متاثر ہوا اور کرایہ نہ لینے کی پیشکش کی لیکن قلندر نے کہا کہ یہ تمھارا حق ہے۔ یہ اچھا تھا کہ میں نے اپنا ایک روپیہ جیب سے پہلے ہی نکال رکھا تھا۔ قلندر صاحب کا کہنا تھا کہ کامل صاحب کی بھی یہ عادت تھی۔ پشتو املا کے بارے میں بھی اپنے اسی اصول "گمراہوں کو آئینہ دکھاتا ہوں" پر ڈٹے رہے۔

قلندر مومند ایک عام نام نہیں بلکہ ایک دور ایک تحریک اور انفرادی سطح پر ایک ادبی مکتب ہیں انکی زندگی اور فن کا ہر پہلو اتنا متنوع اور دلنشیں ہے کہ میرے جیسے ادبی طالب علم کو اس میں انتخاب کرنا اور فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ کس پہلو پر لکھا جائے کیونکہ ان کی شخصیت اتنی وسیع ہے کہ اس کا احاطہ کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں اور جس جس حوالے سے ان کی شخصیت کی عظمت بنی ہے اور ان کو دوام حاصل ہے اس کا اجمالاً ذکر پہلے ہو چکا ہے لیکن ایک بڑا حوالہ ان کی روشن شخصیت کا دوسرا بھی ہے اور وہ ہے انسانیت اور انسان دوستی۔ ظاہراً تو وہ ہماری طرح مٹی سے بنا ہوا انسان ہے لیکن اپنی خوبیوں اور خصلت کی بناء پر ہم سب سے منفرد ہے کیونکہ وہ دنیا کے تمام انسانوں کے لئے اسی طرح محبت، خوشحالی اور امن چاہتا ہے جس طرح اپنے لئے۔

گلستان کـــه مې پـــه وینـــو تـــازه کېږي

هـر ازغـے د ې هـم زمـا پـه زړه کښې مـات شي

ترجمہ:

اگر گلستان کی شادابی کے لئے میرے خون کی ضرورت ہو

تو ہر کانٹا میرے ہی دل میں چبھ جائے

یہی انسان دوستی اس نے اپنی زندگی کا نصب العین جانا ہے اور ادب میں بھی آدمی کے احترام کے قائل ہیں۔ انہوں نے اپنی ذات کی تمام قوت ہر سمت اور ہر وقت میں بشر کی فلاح کے لئے استعمال کی ہے۔ وہ علم کا چشمہ ہے جس کا فیض عام ہے۔ ایک ایسا جاری چشمہ کہ جس سے قدم بہ قدم تشنگان علم اپنی

پیاس بجھاتے اور سیراب ہوتے ہیں۔ ان کی ذات چلتی پھرتی انسائیکلو پیڈیا ہے۔ ہمارے ہاں کم لکھاری ایسے ہیں جن میں یہ صفات موجود ہوں لیکن قلندر جو زندگی کے ہر قدم اور ہر لحظہ محبتیں بانٹتا ہے نے کبھی کسی کو مایوس نہیں کیا ہے مانتا ہوں کہ ان کا فن (تخلیقی قوت) تھوڑا بہت ماند پڑ گیا ہوگا لیکن اپنی شخصیت کو جمود کا شکار نہیں ہونے دیا جس سے زندگی کی حرکت کو خطرہ درپیش ہو سکے۔ بطور مثال "د ساهو لیکونکیو مرکه" بھی کافی ہے جس کے زیر اہتمام 1962 سے مسلسل ہر ہفتہ باقاعدہ تنقیدی نشستوں کا انعقاد ہوتا ہے اور قلندر نے اس میں اپنی شرکت کو ایسا فرض مانا ہے گویا یہ ان کی زندگی کا بڑا مقصد ہو اور اسی سبب انہوں نے اپنے تمام رقیب، رفیق بنائے ہیں۔ دنیا میں کوئی بھی جب صحیح معنوں میں اپنے عوام اور قوم کی فلاح و بہبود کے لئے اٹھے ہیں تو ان کی زندگی اجیرن بنادی گئی ہے، مختلف صعوبتوں میں مبتلا کئے گئے اور پھر ان کٹھن دشوار راستوں میں جب ان کے حمایتی اور ساتھی پیدا ہوئے ہیں وہاں ان کے مخالفین بھی سر اٹھاتے ہیں اس سلسلے میں نامور شخصیات بایزید انصاری، پیر روشان، خوشحال خان خٹک اور باچا خان کی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں جس طرح ذکر شدہ نامور شخصیات کی مخالفتیں ہوئیں اسی طرح قلندر مومند کی بھی مخالفت ہوئی اور بعض قابل رحم لوگوں نے اپنے منفی رویوں کا اظہار کیا یہ کوئی انہونی بات نہیں۔

د مخزن خاوند مې خکه یزید بولي
قلندره! د دې دور بایزید یم

صاحب مخزن مجھے اس لئے یزید گردانتا ہے کہ
میں (قلندر) اپنے دور کا بایزید ہوں

میرے دل میں قلندر مومند کی عظمت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب وہ خندہ پیشانی سے ہر کسی کی تلخ باتیں برداشت کرتے ہیں اور یہ ان کی بردباری کی مثال ہے۔

میرے خیال میں وہ مظلوم اور مجبور عوام اور تمام انسانیت کے لئے امن، محبت اور خوشحالی کے متمنی تھے۔ ان کا شعری مجموعہ "سباؤن" (سحر) اور "ګجرې" (گجرے) (پشتو افسانے) دونوں انہی خیالات کے آئینہ دار ہیں۔ انہوں نے شاعری کی تو بھی اپنے نظریئے، عقیدے کا اس میں واضح پرچار اور اظہار کیا اگر افسانے لکھے تو اس میں بھی انسانیت، انسان دوستی اور احترام آدمیت پر زور دیا۔ یہی ان کی شخصیت کا کمال اور فن کا معراج ہے۔

پیاس بجھاتے اور سیراب ہوتے ہیں۔ان کی ذات چلتی پھرتی انسائیکلو پیڈیا ہے۔ ہمارے ہاں کم لکھاری ایسے ہیں جن میں یہ صفات موجود ہوں لیکن قلندر جو زندگی کے ہر قدم اور ہر لحظہ محبتیں بانٹتا ہے نے کبھی کسی کو مایوس نہیں کیا ہے مانتا ہوں کہ ان کا فن (تخلیقی قوت) تھوڑا بہت ماند پڑ گیا ہوگا لیکن اپنی شخصیت کو جمود کا شکار نہیں ہونے دیا جس سے زندگی کی حرکت کو خطرہ درپیش ہو سکے۔ بطور مثال "د ساهو لیکونکیو مرکه" بھی کافی ہے جس کے زیر اہتمام 1962 سے مسلسل ہر ہفتہ باقاعدہ تنقیدی نشستوں کا انعقاد ہوتا ہے اور قلندر نے اس میں اپنی شرکت کو ایسا فرض مانا ہے گویا یہ ان کی زندگی کا بڑا مقصد ہو اور اسی سبب انہوں نے اپنے تمام رقیب، رفیق بنائے ہیں۔ دنیا میں کوئی بھی جب صحیح معنوں میں اپنے عوام اور قوم کی فلاح و بہبود کے لئے اٹھے ہیں تو ان کی زندگی اجیرن بنا دی گئی ہے، مختلف صعوبتوں میں مبتلا کئے گئے اور پھر ان کٹھن دشوار راستوں میں جب ان کے حمایتی اور ساتھی پیدا ہوئے ہیں وہاں ان کے مخالفین بھی سر اٹھاتے ہیں اس سلسلے میں نامور شخصیات بایزید انصاری، پیر روشان، خوشحال خان خٹک اور باچا خان کی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں جس طرح ذکر شدہ نامور شخصیات کی مخالفتیں ہوئیں اسی طرح قلندر مومند کی بھی مخالفت ہوئی اور بعض قابل رحم لوگوں نے اپنے منفی رویوں کا اظہار کیا یہ کوئی انہونی بات نہیں۔

د مخزن خاوند مې خکه یزید بولي
قلندره! د دې دور بایزید یم

صاحب مخزن مجھے اس لئے یزید گردانتا ہے کہ
میں (قلندر) اپنے دور کا بایزید ہوں

میرے دل میں قلندر مومند کی عظمت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب وہ خندہ پیشانی سے ہر کسی کی تلخ باتیں برداشت کرتے ہیں اور یہ ان کی بردباری کی مثال ہے۔

میرے خیال میں وہ مظلوم اور مجبور عوام اور تمام انسانیت کے لئے امن، محبت اور خوشحالی کے متمنی تھے۔ان کا شعری مجموعہ "سباؤن" (سحر) اور "ګجرې" (گجرے) (پشتو افسانے) دونوں انہی خیالات کے آئینہ دار ہیں۔انہوں نے شاعری کی تو بھی اپنے نظریئے، عقیدے کا اس میں واضح پرچار اور اظہار کیا اگر افسانے لکھے تو اس میں بھی انسانیت، انسان دوستی اور احترام آدمیت پر زور دیا۔ یہی ان کی شخصیت کا کمال اور فن کا معراج ہے۔

قلندر مومند فن اور شخصیت

صاحبزادہ حبیب الرحمان جو ادبی دنیا میں ''قلندر مومند'' کے قلمی نام سے شہرت رکھتے ہیں یکم ستمبر 1930 کو پشاور سے تقریباً پانچ میل کے فاصلے پر بازہ مہمند کے مشہور گاؤں بازید خیل میں معزز اور عالم فاضل شخصیت صاحبزادہ سیف الرحمان کے ہاں پیدا ہوئے مذکورہ گاؤں معروف پشتون سردار بازید خان کے نام پر آباد ہے۔

شجرۂ نسب

سال1870 کے کاغذات مال کے مطابق قلندر مومند کا شجرۂ نسب درج ذیل ترتیب کے مطابق ہے۔

شجرہ اگلے صفحے پر

مذکورہ نقشے کے مطابق قلندر مومند کا شجرۂ نسب اس طرح ترتیب پاتا ہے۔
حبیب الرحمان (قلندر مومند) بن صاحبزادہ سیف الرحمان بن محمدی بن عاصم گل (اچا اخوزادہ) بن قسیم گل بن محمد گل بن ملا سید گل بن ملا الیاس بن اخون کمال (برعلی خیل) بن علی خان بن بازید خان (بازید خیل) بن کوکو بن مومند بن دولت یار بن غوریا (غوریا خیل) بن کند بن خرشبون بن سڑہ بن قیس عبدالرشید (پٹھان یا بطان)

محترم قلندر مومند کی زندگی، تعلیم، روزگار، ادب اور صحافت کا آپس میں نہایت گہرا اور قریبی تعلق

ہے۔انہوں نے ابتدائی تعلیم اس زمانے کے دستور کے مطابق اپنے ہی گاؤں بازید خیل کے گورنمنٹ پرائمری سکول میں حاصل کی (مذکورہ سکول تا حال اسی طرح پرائمری سطح تک قائم ہے) میٹرک کا امتحان سال 1946 میں پشاور کے خالصہ ہائی سکول (پنجاب یونیورسٹی) سے پاس کیا تعلیم اور روزگار کے سلسلے میں آپ کا بیان زیادہ معتبر اور مستند ہے۔

''پھر میں نے اسلامیہ کالج پشاور میں داخلہ لیا لیکن سیاسی وجوہات کی بنا پر تعلیم مکمل نہیں کی بعد میں پرائیویٹ تعلیم کا سلسلہ شروع کیا سال 1958 میں پشاور یونیورسٹی سے انگریزی ادب میں ایم۔اے کیا پھر سال 1973 میں قانون (L.L.B) کا امتحان پاس کیا۔ کچھ عرصہ وکالت بھی کی۔ ملازمت کی ابتدا محکمۂ زراعت سے کی۔ چند سال بعد اے۔جی آفس چلا گیا پھر انگلش رابرٹ کمپنی میں ملازمت اختیار کی۔ پبلک سروس کمیشن کی وساطت سے گورنمنٹ کالج پشاور میں انگریزی ادب کا لیکچرر مقرر ہوا اور جب پشاور سے میرا ٹرانسفر گورنمنٹ کالج ایبٹ آباد ہوا تو بے بنیاد الزامات کے تحت مجھے ملازمت سے فارغ کر دیا گیا۔ سال 1980 میں گومل یونیورسٹی ڈیرہ اسماعیل خان کے V.C مرحوم عبدالعلی خان نے وہاں انگریزی ادب کا لیکچرر مقرر کیا اور سال 1982 میں اسی یونیورسٹی میں لاء کالج کے پرنسپل کا عہدہ دیا گیا جبکہ سال 1983 میں مجھے پشتو ڈکشنری پراجیکٹ کا ڈائریکٹر مقرر کیا گیا''۔(1)

سال 1951 (مارچ) میں محترم قلندر مومند نے کاکا جی صنوبر حسین، اجمل خٹک، امیر حمزہ خان شنواری، دوست محمد خان کامل مومند اور دیگر ادبی شخصیات سے مل کر "اولسی ادبی جرگہ" کے بانی ارکان میں شامل ہونے کا شرف حاصل کیا بعد میں اسی جرگے کے جائنٹ سیکریٹری بھی مقرر ہوئے اور اسی بنیاد پر اپنے ہم عصر دوستوں ولی محمد طوفان اور سید مہدی شاہ باچہ کے ساتھ مل کر ہفت روزہ ''رہبر'' مردان۔ پشاور کی ادارت میں حصہ لیا اور اپنی صحافتی زندگی کا آغاز کیا۔

سال 1958 میں افسانوں کا پہلا اور واحد مجموعہ "گجرې" (گجرے) کے نام سے شائع کیا۔ جو جدید پشتو کی تاریخ میں اب تک فن، معیار اور مقصد کے لحاظ سے لاجواب اور لاثانی ہے۔

اسی سال ماہنامہ "لار" پشاور کے اڈیٹر مقرر ہوئے سال 1959 میں "روزنامہ بانگِ حرم" پشاور کی ادارت میں شامل ہوئے اور اسی سال آپ نے کراچی میں اہل قلم کنونشن میں بطور مندوب نمائندگی کی اس حوالے سے اردو کے ممتاز ترقی پسند ادیب محترم شوکت صدیقی بتاتے ہیں۔

''یہ جنوری 1959 کی بات ہے کراچی میں اہل قلم کا تاریخی کنونشن ہوا اور اسی کنونشن میں ہی پاکستان رائیٹرز گلڈ کا قیام عمل میں لایا گیا تھا اگر میرا حافظہ صحیح

ساتھ دے تو یاد آتا ہے کہ 29 جنوری کی دوسری نشست میں مندوبین اسٹیئرنگ کمیٹی کی تشکیل میں مصروف بحث تھے بحث کے دوران ایک نوجوان ادیب نے ان ادیبوں شاعروں جن میں فیض احمد فیض، احمد ندیم قاسمی، سبط حسن اور دوسرے شامل تھے سیفٹی ایکٹ کے تحت نظر بند تھے کی رہائی کے لئے آواز بلند کی یہ نوجوان ادیب تھے قلندر مومند جو بطور مندوب پشاور سے آئے تھے یہ بڑا پر آشوب زمانہ تھا ملک میں پہلی بار مارشل لاء نافذ ہوا تھا اور اس کے نفاذ کو بھی زیادہ مدت نہیں گزری تھی آئے دن نت نئے مارشل لاء ریگولیشن جاری ہوتے تھے ہر طرح کی سیاسی اور ٹریڈ یونین سرگرمیوں پر پابندی تھی آزادی تحریر وتقریر پر قدغن لگا ہوا تھا اخبارات سنسر شپ کی زد میں تھے۔ قلندر مومند نے نہ صرف نظر بند ترقی پسند ادیبوں کی رہائی کے لئے آواز بلند کی بلکہ باقاعدہ قرارداد بھی پیش کی جس کو وہ ساتھ لکھ کر لائے تھے انہوں نے قرارداد پڑھ کر سنائی قرارداد کا متن کچھ اسطرح تھا" یہ کنونشن حکومت سے درخواست کرتا ہے کہ ان ادیبوں کو جنہیں سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کیا گیا ہے فوراً رہا کردے اور ان پر کھلی عدالت میں مقدمہ چلائے نیز ان پر سے دیگر پابندیاں اٹھائی جائیں"۔ کسی طرف سے بھی اس کی مخالفت نہ ہوئی اور اس کو ذیلی کمیٹی برائے ازادیء اظہار کے سپرد کیا گیا۔ جس اجلاس میں یہ قراداد پڑھ کر سنائی گئی اس میں جنرل ایوب خان بھی موجود تھے۔ وہ اس وقت چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر تھے۔ اس جراءت رندانہ پر ادیب وشاعر قلندر مومند کو حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ مجھے بھی اس کی یہ ادا اتنی بھائی کہ اسی روز ذہنی ہم آہنگی اور رفاقت کا جو رشتہ قائم ہوا وہ ہمیشہ برقرار رہا۔ قلندر مومند نے کنونشن کی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا وہ گلڈ کے مغربی پاکستان ریجن کی پہلی مجلس عاملہ کے رکن منتخب ہوئے۔ کنونشن کے سلسلے میں وہ کراچی میں مقیم رہے برابر ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ جو رشتہ قائم ہوا تھا مضبوط سے مضبوط تر ہوتا گیا کراچی سے رخصت ہونے کے بعد ادبی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ ان کی سیاسی سرگرمیاں بڑھ گئیں۔"

شوکت صدیقی کے مطابق قلندر مومند گلڈ کے مغربی پاکستان ریجن کی پہلی مجلس عاملہ کے رکن منتخب ہوئے۔ غالباً اس عمل کے تسلسل میں وہ سال 1960 دسمبر کے مہینے میں پشاور رائٹرز گلڈ کے پہلے عمومی سیکرٹری مقرر ہوئے۔ سال 1960 سے لے کر 1962 تک آپ شاہی قلعہ لاہور، نوشہرہ، ملتان، مچھ

اور بہاول پور کی مختلف جیلوں میں پابند سلاسل رہے۔
6مارچ 1962 کو ملتان کی جیل میں غزل کے یہ اشعار قلمبند کئے۔

قلندره چې دې زلفې خوښه‌دلې
خولنې دې به قسمت وې شرنګه‌دلې
که زندان وته ستا خيال راغلے نۀ وے
د سپرلي ورځې به هسې تېرېدلې

ترجمہ:

قلندر جب تم زلفوں کے دام میں گرفتار ہوئے تو تمہاری قسمت
میں زنجیروں کی جھنکار ہی لکھی تھی۔ اگر آپ کا خیال قفس میں
ہوتے ہوئے نہ آتا تو بہار کے دن یونہی گزر جاتے

خیر دے که لاره د ازغو ډکه ده
زما سينه هم له پولو ډکه ده
د قلندر هره يوه سندره
نن د باګرام له تذکرو ډکه ده

ترجمہ: (سپاؤن صفحہ 81)

اگر راستہ کانٹوں سے بھرا پڑا ہے تو کوئی بات نہیں
میرا سینہ بھی آبلوں سے پر ہے۔
آج قلندر کا ہر گیت
باگرام کے تذکروں سے مالامال ہے۔"

(سپاؤن صفحہ 81)

ایک محتاط اندازے کے مطابق مارچ 1962 تک قلندر مومند زندانی نغمے سناتے رہے اور جب اسی سال یعنی 1962 میں انہیں سیاسی قید سے رہائی ملی تو اسے چند دنوں کے لئے گھر پر نظر بند رکھا گیا اس اذیت سے گزرنے کے بعد آپ (روزنامہ" انجام" پشاور) سے منسلک ہو گئے۔ یاد رہے کہ روزنامہ انجام بیک وقت پشاور اور کراچی سے شائع ہوتا تھا قلندر مومند کچھ عرصہ تک تو یہاں پشاور میں کام کرتے رہے لیکن جب یہاں سب ایڈیٹر سے آپ کے تعلقات کشیدہ ہو گئے تو آپ کراچی چلے گئے اور کراچی ایڈیشن کے نیوز ایڈیٹر مقرر ہوئے اور 1965 تک وہاں اپنے فرائض سرانجام دیتے رہے۔

1957 میں قلندر مومند نے دوبارہ ادبی اور صحافتی سرگرمیاں شروع کیں اور 1962 میں "ذ ساهو لیکیونکیو مرکه" کے نام سے ایک ادبی تنظیم کی بنیاد رکھی جو آج تک قائم ہے اور ادب کے حوالے سے اپنا مثبت کردار ادا کرتی آئی ہے۔

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ سال 1962 کے بعد قلندر مومند روزنامہ "انجام" کراچی سے منسلک تھے اور وہاں نیوز ایڈیٹر کی حیثیت سے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ صحافتی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ آپ شاعری کے ذریعے بھی بھرپور تخلیقی اظہار کرتے رہے اور اس وقت پشتو شاعری کے آسمان پر ایک روشن ستارے کی مانند چمک رہے تھے۔ اس زمانے کے چند اشعار ملاحظہ فرمایئے۔

بيا مې چشمان لکه جهتر وريږي
چې په زړګي مې پېښور وريږي
د کراچۍ په ښوره زمکه باندې
خواږهٔ اشعار د قلندر وريږي

ترجمہ: (سباؤن صفحہ 85)

میری آنکھیں پھر ماہ چیت کی بارش کی طرح برس رہی ہیں
کیونکہ مجھے اپنا پشاور شدت سے یاد آرہا ہے
کراچی کے شورزدہ زمین پر قلندر کے میٹھے اشعار برس رہے ہیں۔

د باګرام ترکۍ ته وايه چې رادرومی
چې مې وقف ورته ذهن، سترګې، زړهٔ کړهٔ
قلندره بيا به زغلې زولنو له
پرېشانه کهٔ ئې يو ځلې ويښتهٔ کړهٔ
(سباون صفحہ 97)

ترجمہ:

کوئی باگرام کے دوشیزہ سے کہہ دے کہ آجائے
میرا ذہن، میری آنکھیں، میرا دل اس کے لئے وقف ہیں
قلندر تم زنجیروں اور بیڑیوں کی طرف بھاگو گے
اگر محبوب نے ایک بار پھر اپنی زلفوں کو برھم کردیا

يويو تار د زلفو دې زما په زړهٔ وريږي

بیا را نازل شوي پښتونخوا باندې ناتار دے

خېبر دے کهٔ د حق په حمايت لې لاس قلم کړی شوک

نن چې قلندر روان په لار د علمدار دے

ترجمہ: (سباؤن صفحہ 89)

تمہاری زلفوں کا ایک ایک تار جب میرے دل پر برستا ہے

تو ایسا لگتا ہے کہ پھر پشتونخوا پر کوئی حملہ آور ہوا ہے۔ اگر حق

کی حمایت میں میرے ہاتھ قلم ہو جائیں تو کوئی پرواہ نہیں

کیونکہ آج قلندر علمدار (حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

کے راستے پر رواں دواں ہے

سال 1963 میں قلندر مومند کی دو تنقیدی کتابیں ادب کے حوالے سے شائع ہوئیں ایک ''نظمیات'' کے نام سے جو ارسطو کی مشہور کتاب (POETICS) کی تشریح اور اس پر تبصرہ ہے اور دوسری ہڈسن کی مشہور کتاب (AN INTRODUCTION TO THE STUDY OF LITERATURE) کے ایک باب کا ترجمہ و تلخیص ہے جو ''تنقید'' کے نام سے شائع ہوئی۔

سال 1968 میں آپ انگریزی اخبار ''خیبر میل'' سے منسلک ہوئے اس وقت مذکورہ اخبار کے پشتو صفحے کا انچارج امیر حمزہ خان شنواری تھے۔ 1969ء میں روزنامہ ''شہباز'' پشاور کے نیوز ایڈیٹر مقرر ہوئے اور ''خبر او خبرې'' کالم بھی لکھتے رہے۔ اس سال آپ کے والد گرامی صاحبزادہ سیف الرحمٰن انتقال کر گئے۔

سال 1972 کو آپ نے 42 سال کی عمر میں شادی کی۔ محترم امیر حمزہ خان شنواری نے آپ کی شادی کی تاریخ اپنی ایک نظم میں اسطرح بیان کی ہے۔

غر غوندې سختيو د حالاتو ته محکمه

کلکه قلندره عروسي دې مبارک شه

ترجمہ: ۱۳۹۲ھ (سلگے صفحہ 309)

حالات کی سنگینیوں کے سامنے پہاڑ کی طرح ڈٹے ہوئے

سخت جان قلندر آپ کی عروسی آپ کو مبارک ہو

سال 1973 میں آپ کے ہاں محمد عبدالرحمٰن ''جالوان'' پیدا ہوئے، دو سال بعد 1975 میں بڑی بیٹی فاطمہ امتہ الرحمٰن ''مرغلرہ'' پیدا ہوئی سال 1976 میں قلندر مومند کی شاعری کی پہلی کتاب

"سپاؤن" (سحر) کے نام سے منظر عام پر آئی اور اسی سال یعنی 1976 میں ان کے ہاں دوسرا بیٹا احمد عبید الرحمٰن ''زلان'' پیدا ہوا۔ دو سال بعد 1978 میں آپ کے ہاں دوسری بیٹی عائشہ امتہ الرحمٰن ''پلوشہ'' کی ولادت ہوئی۔

سال 1978 میں قلندر مومند کو علمی، ادبی، تحقیقی اور تنقیدی خدمات کے اعتراف کے طور پر اس وقت کے صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کی طرف سے تمغہ برائے حسن کارکردگی عطا کیا گیا۔

سال 1981 میں پشتو اکیڈمی پشاور کی وساطت سے آپ کی چار کتابیں 1 "د زمکې قصه" (زمین کی کہانی) 2۔"سندهي ژبه او ادب" (سندھی زبان وادب) 3۔"د محنت قدر" (محنت کی قدر) اور "قیصې" (قصے) کے ناموں سے شائع ہوئیں۔

سال 1982 میں آپ صوبائی حکومت کی ہدایت پر پشتو ڈکشنری پروجیکٹ سیل پشاور کے ڈائریکٹر مقرر ہوئے اس پروجیکٹ کے نتیجے میں 1994 میں ''دریاب'' کے نام سے پشتو کی ضخیم، عظیم اور مستند لغت شائع ہوئی جس کے سرورق پر قلندر مومند کے ساتھ فرید صحرائی کا نام بھی بطور مولف درج ہے۔ فرید صحرائی آپ کے معاون تھے۔ یہ لغت ٹیکسٹ بک بورڈ پشاور کی جانب سے شائع ہوئی۔

سال 1984 میں آپ نے "د رحمان بابا کلیات" '' (کلیات رحمان بابا) د جاب خایې کوہاٹ روڈ پشاور سے شائع کیا۔ یہ تحقیق آپ نے دوست محمد خان کامل مومند کی شراکت سے مکمل کی تھی۔

پشتو کلاسیکی شاعری کی دو اہم کتابیں ''د ابوالقاسم دیوان "(دیوان ابوالقاسم) اور ''د محمدی صاحبزاده دیوان" (دیوان محمدی صاحبزادہ) مرتب کر کے دچاپ زئے کوہاٹ روڈ پشاور سے شائع کیں۔

سال 1986 میں آپ ''انقلاب'' نامی اخبار سے اعزازی طور پر منسلک ہو گئے۔ آپ مذکورہ اخبار کے ادبی ایڈیشن '' ادبیات پشتو '' کے انچارج بھی تھے۔ اس ایڈیشن کے ذریعے آپ نے ''لرم پھونکے " کو پشتو کے پہلے افسانہ نگار کے طور پر متعارف کرایا اور ثبوت کے طور پر اس کے دو افسانے ''وزیری'' اور ''یوسف زئی'' لیچے میں شائع کئے۔

سال 1988 میں قلندر مومند نے دو نہایت اہم تاریخی، علمی، تنقیدی اور تحقیقی کتابیں "پټه خزانه في الميزان" (پوشیدہ خزانہ فی المیزان) اور "د خير البيان تنقيدي مطالعه '' (خیر البیان کا تنقیدی مطالعہ) شائع کیں۔ ان موضوعات پر آپ نے تقریباً 20 سال تک تحقیق کی تھی۔

1989 میں آپ کو اس وقت کی وزیر اعظم بے نظیر بھٹو کی طرف سے ادب میں جمہوری قدروں کی ترجمانی کا ایوارڈ دیا گیا۔

1990 میں پشتو ادبی سوسائٹی اسلام آباد کی طرف سے آپ کے اعزاز میں ایک ادبی تقریب کا

اہتمام کیا گیا۔اس تقریب کے صدر محفل مرحوم سید تقویم الحق کاکا خیل تھے۔اس تقریب میں آپ کی شخصیت اور فن پر جو مقالے اور نظمیں پیش کی گئی تھیں وہ بعد میں م۔ر۔شفق نے کتابی شکل میں مرتب کر کے شائع کئے۔جسے بعدازاں اباسین آرٹس کونسل پشاور نے سلور میڈل (94-1993) عطا کیا۔

سال 1992 میں ملٹری لیکوال کوئٹہ بلوچستان نے آپ کے ساتھ ایک سیمینار کا انعقاد کیا اس سیمینار میں قلندر مومند کے ساتھ پشتو کے کلاسیک شاعر پیر محمد کاکڑ کی شاعری پر بھی مقالے پڑھے گئے۔اس ایک روزہ سیمینار میں شمالی پشتونخوا سے سید محمود ظفر،م۔ر۔شفق،فیض الوھاب فیض،عبدالرؤف عارف، روشان یوسفزئی،حسینہ گل،اور راقم الحروف (محمد زبیر حسرت) نے بھی شرکت کی تھی۔اس تقریب کے انعقاد میں عنایت اللہ ضیاء نے بھر پور کردار ادا کیا تھا۔کراچی سے طاہر آفریدی اور ریاض تسنیم بھی تشریف لائے تھے۔اس سیمینار میں پیر محمد کاکڑ اور قلندر مومند کے فن اور شخصیت پر جو مقالے اور منظومات پیش کی گئیں تھیں وہ فروری 1994 میں عمر گل عسکر اور خلیل باور نے "سیمینار" کے نام سے شائع کئے۔

اکتوبر 1996 میں "ڈ ساھو لیکوالو مرکہ" پشاور،"ڈ ادبی دوستانو مرکہ" مردان اور "ڈ پښتو ادبی ستوری "ورسک پشاور نے مشترکہ طور پر آپ کے اعزاز میں ایڈورڈ کالج پشاور کے ہال میں ایک تقریب کا اہتمام کیا تھا جس کی صدارت قمر راہی نے کی تھی جبکہ میاں تقویم الحق کاکا خیل مہمان خصوصی تھے۔نظامت کے فرائض راقم الحروف (محمد زبیر حسرت) نے ادا کئے تھے۔اس تقریب میں جو نظمیں اور مقالے پیش کئے گئے تھے ان کو مشتاق مجروح یوسفزئی،فیض الوھاب فیض، محمد زبیر حسرت،اور فضل شاہ نے ترتیب دے کر سال 2000 میں" قلندر مومند" کے نام سے کتابی صورت میں شائع کئے۔پاکستان سرکار کی طرف سے آپ کو جو اعزازات دیئے گئے تھے ان میں ستارۂ امتیاز، پرائڈ آف پرفارمنس (ایوارڈ برائے حسن کارکردگی) اور پرائم منسٹر نیشنل ایوارڈ شامل ہیں۔

13 مارچ 2002 بروز بدھ شام 6 بجے پشاور پریس کلب میں قلندر مومند کے ساتھ ایک شام کا انعقاد کیا گیا۔یہ پروگرام اس حوالے سے منفرد تھا کہ اس میں آپ سٹیج پر بالکل اکیلے بیٹھے تھے۔پروگرام میں پشتو زبان کے نامور شاعروں اور ادیبوں نے شرکت کی تھی۔نظامت کے فرائض راقم الحروف نے ادا کئے تھے جبکہ خراج عقیدت پیش کرنے والوں میں سلیم راز،سعداللہ جان برق،مجیداللہ خلیل،محب اللہ شوق،پروفیسر ڈاکٹر ظہور احمد اعوان،پروفیسر خاطر غزنوی،ہمایون ھمدرد،روشان یوسفزئی،مرحوم فرید گل استاد،سلیمان کامل،اباسین یوسفزئی،ہدایت اللہ گل اور راقم الحروف شامل تھے۔

وفات

پشتو کے یہ عظیم شاعر،ادیب،صحافی،محقق،ماہر قانون اور مترجم بروز منگل 4 فروری 2003 کو

لیڈی ریڈنگ ہاسپٹل پشاور میں اس جہان فانی سے کوچ کر گئے۔ جنازہ میں پشتو کے لاتعداد شعراء، ادباء اور سیاسی، سماجی شخصیات نے شرکت کی اور آپ کی وفات کو پشتو ادب اور زبان کے لئے ایک سانحہ قرار دیا۔

آپ کی وفات پر اردو، پشتو اور انگریزی کے اخبارات ورسائل نے اداریے اور کالم تحریر کئے جن میں سے بعض کے چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں۔

مرکہ مردان

"قلندر مومند عربی، فارسی، انگریزی، اردو، سنسکرت، پنجابی، ہندکو اور پشتو زبانوں پر یکساں عبور رکھتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجے کے تخلیق کار، محقق، نقاد، صحافی اور دانشور تھے۔ آپ نے شاعری، افسانہ، تحقیق، تنقید، کالم نگاری، اور مضمون نگاری میں ایسا معیار قائم کیا تھا جس کی نظیر اور مثال پشتو زبان وادب کی تاریخ میں موجود نہیں۔ وہ جس روایت کے موجد تھے اس کے خاتم بھی تھے۔"(2)

ماہنامہ پشتو

"قلندر مومند بڑے عالم، نابغہ روزگار شخصیت، مستند شاعر، کمال کے محقق، منفرد نقاد، بیباک صحافی اور پشتو ادب کے آسمان پر چمکتے ہوئے ستارے کی مانند تھے۔ قلندر مومند وفات پا گئے اور پشتو زبان کے افتخار کا سرمایہ لٹ گیا۔"(3)

سہ ماہی جرس کراچی

"قلندر مومند بھی بالآخر وفات پا گئے اور اسی طرح پشتو ادب کے آسمان سے ایک اور چمکتا ہوا ستارہ ٹوٹا۔ آپ کی وفات سے ایک ایسا خلا پیدا ہو گیا جو کبھی بھی پر نہ ہو سکے گا۔"(4)

روزنامہ وحدت پشاور

" آہ قلندر مومند پشتو زبان کے معتبر نقاد، محقق، صحافی، شاعر، ادیب اور افسانہ

نگار محترم قلندر مومند گزشتہ روز ۷۳ سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ آپ کی وفات پشتو زبان و ادب کے لئے ایک نا قابل تلافی نقصان ہے۔ آپ نے اپنی ساری زندگی پشتو زبان و ادب اور پشتون قوم کی خدمات اور بہتری کے لئے وقف کی تھی اور اس سلسلے میں کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کیا تھا۔" (5)

ہفت روزہ هیواد اسلام آباد

" قلندر مومند نہ منصب دار تھے اور نہ سرمایہ دار، لیکن تمام منصب داروں اور سرمایہ داروں سے معزز اور قابل احترام شخصیت تھے۔ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ، قانون دان، پروفیسر، شاعر، ادیب، صحافی، سیاستدان اور نقاد تھے۔" (6)

اشرف غمگین کے تاثرات

" قلندر مومند جیسے نابغہ، روشن خیال، عالم فاضل، شاعر، ادیب، محقق، مصنف اور مولف کی موت کا غم کوہ ہمالیہ سے بھی بھاری ہے۔ یہ پشتونوں کی بد قسمتی ہے کہ ان سے ہمہ جہت شخصیت رحلت کر گئی اور ایک خلا پیدا ہوا۔" (7)

میرے اپنے تاثرات

" قلندر مومند وفات پا گئے۔ آپ کی وفات پر مجھ جیسے آپ کے بہت سے شاگرد اور پرستار ایک زمانے تک بے قرار رہیں گے۔ محترم قلندر مومند محض ایک نام نہیں تھا بلکہ ایک دور اور ایک تحریک کا نام تھا۔ آپ نے اپنا ادبی سفر "اولسی ادبی جرگہ" سے شروع کیا تھا اور یہ سفر "ډ ساهو لیکوونکیو مرکه" پر اپنے انجام کو پہنچا اور اسی طرح ہمارے سروں سے پدرانہ شفقت کا سایہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اٹھ گیا۔" (8)

10 فروری 2003 کو "ډ ساهو لیکوونکیو مرکه" پشاور کا ایک غیر معمولی اور خصوصی اجلاس فقط قلندر مومند کی یاد میں منعقد ہوا جس کی صدارت اردو سائنس بورڈ پشاور کے ڈائریکٹر محترم عبداللہ جان مسرور نے کی اور نظامت کے فرائض جمشید مومند نے ادا کئے۔ اس اجلاس کے ایجنڈے میں صرف

ایک نکتہ شامل تھا کہ قلندر مومند کی وفات پر تعزیتی قرارداد پیش جائیگی اور دو منٹ کی خاموشی کے بعد اجلاس ختم ہوگا۔ اس موقع پر جو قرارداد پیش کی گئی اس کا متن یہ ہے۔

''4 فروری 2004 کو دو بجکر تیں منٹ پر "موکہ" کے بانی اور عمومی سیکریٹری محترم صاحبزادہ حبیب الرحمٰن (قلندر مومند) اس دار فانی سے رحلت کر گئے۔ "ذ ساھو لیکیونکیو مرکہ" کا یہ غیر معمولی اجلاس تمام پشتونوں سے عموماً اور آپ کے اہل خانہ سے خصوصی طور پر اتنے بڑے شاعر، لاثانی ادیب، بے مثل نقاد، عظیم محقق، بے باک صحافی، لغت نویس اور منفرد افسانہ نگار کی وفات کے غم میں برابر کا شریک ہے۔ مرکہ کے تمام ساتھی اسی عزم کا اظہار کرتے ہیں کہ آپ کی وفات سے جو خلاء پیدا ہوا ہے اس کو پُر کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جائیگی اور قلندر مومند کی روح کو سکون بخشنے کا واحد راستہ یہی ہے کہ "موکہ" سے اپنی وابستگی برقرار رکھی جائے گی۔'' (9)

یہ قرارداد متفقہ طور پر منظور کی گئی اور اس کے بعد آپ کی مغفرت کے لئے دعا کی گئی۔ دعا کے بعد آپ کے بیٹے احمد عبیدالرحمٰن (زلان مومند) نے کہا کہ قلندر مومند کی وصیت کے مطابق مشتاق مجروح یوسفزئی تنظیم کے عمومی سیکریٹری ہونگے۔ سید محمود ظفر نے خازن کے لئے جمشید مومند کا نام پیش کیا۔ "موکہ" کے تمام ساتھیوں نے دونوں عہدیداروں کی تائید کی اور اسی طرح یہ غیر معمولی اجلاس اختتام کو پہنچا۔ اس اجلاس میں قلندر مومند کے جن شاگردوں اور پرستاروں نے شرکت کی ان کے نام یہ ہیں۔

نوشاد علی خان باتور، سید محمود ظفر، داد محمد دلسوز، اظہار اللہ اظہار، اسیر منگل، تاج الدین تاجور، مشتاق مجروح یوسفزئی، عبداللہ جان مسرور، حنیف خلیل، شیر عالم شنواری، حماد حسن، ارشد اقبال وحید، محمد حسن طلبگار، شاھین بونیرے، بخت زمان، مہر اندیش، عامر گریانے، عبدالصمد مومند، اقبال مومند، زلان مومند، جمشید مومند اور محمد زبیر حسرت۔

7 فروری 2003 کو "ذ ادبی دوستانو مرکہ" (مردان) کا ایک اجلاس بھی بالکل اسی نوعیت کا تھا۔ یہ تعزیتی اجلاس کمل شاہ اخگر کے حجرے، گجو خان روڈ مردان میں منعقد ہوا۔ "مرکہ" مردان کے نوجوان شعراء و ادبا کی واحد فعال تنظیم ہے۔ اس اجلاس میں فیض الوھاب فیض، عبدالرؤف عارف، ساحل یوسفزئی، سلیمان کامل، شہاب شاد، کمل شاہ اخگر، آفتاب بدر، شرجیل احمد شہزاد، پروفیسر جہان عالم، مہر اندیش، بشر یوسفزئی اور محمد زبیر حسرت نے شرکت کی۔

قلندر مومند کی وفات حسرت آیات پر تقریباً تمام ادبی تنظیموں نے اسی نوعیت کے تعزیتی اجلاس منعقد کئے، قراردادیں منظور کیں اور آپ کی وفات کو پشتو زبان و ادب کے لئے ایک عظیم سانحہ قرار دیا۔

بعض تنظیموں نے خصوصی تقریبات کا اہتمام بھی کیا تھا۔ ان میں "ڈ ساھو لیکیونکیو مرکه"پشاور"، "پښتانهٔ لیکوال "پشاور"، "ډ ادبی دوستانو مرکه مردان "، "پشتو ادبی سوسائٹی اسلام آباد" اور "جرس پښتو ادبی جرگه" (کراچی) قابل ذکر ہیں۔

جن اخبارات میں آپ کی شخصیت، زندگی اور فن پر مقالات، مضامین، اداریے اور کالم لکھے گئے ان کی اجمالی فہرست (خاکہ) درج ذیل ہے:

روزنامہ "آج" پشاور

1 قلندر مومند بھی رحلت کر گئے ۔اداریہ۔ 6 فروری 2003

2 قلندر مومند "بلبل اور آملے کی کہانی" (دلپشوری) (کالم) ڈاکٹر ظہور احمد اعوان 6 فروری 2003

3 قلندر مومند۔ایک عہد ساز شخصیت۔تحریر نثار مظلوم۔ترجمہ: درنایاب صاحبزادہ 6 فروری 2003

4 قلندر مومند۔ایک اور ستارہ ٹوٹا۔(داد بے داد) (کالم)۔ڈاکٹر عنایت اللہ فیضی 8 فروری 2003

5 قلندر مومند۔میرے استاد۔شرف الدین مخلص۔ 17 فروری 2003

6 "ایک اعصاب شکن صدمہ" (نامہ بر) (کالم)۔پریشان داؤدزئی 17 فروری 2003

7 قلندر مومند مرحوم۔پروفیسر ڈاکٹر عارف نسیم۔20 فروری 2003

8 "قلندر په غرغره کړې " (قلندر کو سر دار کرلو) قیاس آرائیاں (کالم) یونس قیاسی 26 فروری 2003

9 "پہاڑ مرتے نہیں" ممتاز علی خٹک ۔2 مارچ 2003

10 "قلندر مومند اور چائے کی پیالی"۔معاشرہ (کالم) محمد اجمل تاج۔ 4 مارچ 2003

11 "هغه قلندر درته یارانو یادوم"۔سید ولی ساقی۔ مارچ 2003

12 قلندر مومند۔چند یادیں۔شیر محمد خان۔ 19 مارچ 2003

13 پشتون کلچر اور قلندر مومند۔ڈاکٹر محمد عثمان۔25 مارچ 2003

14 راجی۔حرف بہ حرف (کالم) خلان مومند۔31 مارچ 2003

15 "قلندر مومند کی یاد میں "پښتانهٔ لیکوال" کی خصوصی تقریب۔30 مئی 2003

16 جام الوداع۔ارشاد احمد صدیقی۔31 جولائی 2003

روزنامہ "مشرق" پشاور

1 "نامور صحافی و شاعر قلندر مومند وفات پا گئے۔خبر 5 فروری 2003

2 "د خبرو د اقلیم باچا ملنګ شو"۔حرف راز (کالم) سلیم راز۔6 فروری 2003

3 ''قلندر مومند کی یاد میں'' ۔حافظ کی باتیں (کالم)۔حافظ ثناء اللہ۔20 فروری، 2003

4 ''قلندر مومند اور مرگ'' ۔''آبشار'' (کالم)۔اباسین یوسفزئی

-5 ''د قلندر د ارمانی ژوندون علاجه مرګه'' ۔''آبشار'' (کالم)۔اباسین یوسفزئی

-6 ''قلندر مومند۔ایک سال اور بیت گیا''۔روخان یوسفزئی۔(سنڈے میگزین۔پہلا ہفتہ فروری 2003)

روزنامہ ''ایکسپریس'' پشاور

1۔''ایک مرگ نا گہانی اور تھی'' ۔نمک مرچ (کالم) سعد اللہ جان برق 6 فروری 2003ء

2۔پشتو اور اردو ادب کی منفرد اور عظیم شخصیت قلندر مومند۔روخان یوسفزئی۔سنڈے ایکسپریس۔4 فروری 2007

روزنامہ ''وحدت'' پشاور

1 ''آہ قلندر'' (اداریہ)۔۔۔۔6 فروری 2003

2 ''قلندر مومند'' (نظم)۔۔ڈاکٹر فضل وہین خٹک۔6 فروری 2003

3 ''قلندر مومند کی خدمات تمام عمر یاد رکھی جائیں گی'' (مختلف شخصیات کے تاثرات اور پیغامات) 8 فروری 2003

4 ''قلندر مومند کی وفات نا قابل تلافی نقصان ہے (مختلف شخصیات کے تاثرات اور پیغامات) 8 فروری 2003

5 قلندر مومند کی وفات اور جنازہ (رپورتاژ)۔فیروز خان صادق۔8 فروری 2003

6 ''استاد قلندر مومند کی یاد میں'' ۔محمد عثمان زیارل۔14 فروری 2003

7 ''شیخ الافغان قلندر مومند کا جنازہ'' (دو اقساط)۔صابر شاہ صابر۔20-21 فروری 2003

8 قلندر مومند کی یاد میں تقریب۔''بنګلا ادبی جرګه'' ۔دلاور خان دلاور۔20 فروری 2003ء

9 ''هغه قلندر درته یارانو یادوم'' (قلندر مومند کی یاد میں خصوصی ایڈیشن۔ترتیب۔میاں فاروق فراق۔25 فروری 003ء

10 ''قلندر مومند ایک بے باک نقاد۔ڈاکٹر فضل وہین خٹک۔ 25 فروری 2003

11 ''لیلو باغ د باغوان دے'' ۔سعد اللہ جان برق۔ 25 فروری 2003

12 ''ذ یے شماره صلاحیتونو مالک'' ۔ڈاکٹر شیر زمان طائزے۔ 25 فروری 2003

13 ''قلندر مومند۔چند یادیں'' سلیم راز۔ 25 فروری 2003

14 ''قلندر مومند'' ڈاکٹر راج ولی شاہ خٹک۔ 25 فروری 2003

15 ''قلندر مومند ایک کثیر الاعداد دوست'' ۔محمد آصف صمیم۔ 25 فروری 2003

16 ''چې قلندر درته رښتیا یادیږي'' (واقعی قلندر مومند کی یاد آتی ہے)۔(نظم)۔نور البشر نوید۔

17 ''دنیا کے حسینوں نے خوبصورتی کو ماند کیا ہے'' ۔(نظم) عبد الصمد مومند۔ 25 فروری 2003

ہفت روزہ "میواد" اسلام آباد

1. "پشتو کے ادبی دنیا کا ستارہ ڈوب گیا۔ قلندر مومند رحلت کر گئے" (سلطان محمد صابر)۔ 10 تا 17 فروری 2003
2. نامور ادیب، شاعر، محقق، اور صحافی قلندر مومند کی یاد میں تعزیتی اجلاس۔ (پشتو ادبی سوسائٹی اسلام آباد)
3. "وقت کا رہبر چلا گیا"۔ نظم۔ (اقبال حسین افکار)۔ 24 فروری 2003
4. "قلندر مومند"۔ نظم۔ اجمل خٹک۔ 24 فروری 2003
5. "ورورہ قلندرہ" (بھائی قلندر) نظم۔ غنی خان۔ 24 فروری 2003
6. "میرے یار قلندر"۔ نظم۔ قمر راہی۔ 17 اپریل 2003
7. "قلندر مومند کی یاد میں پروفیسر ہا کے نام"۔ 17 اپریل 2003

روزنامہ "صبح" پشاور

1. "عصر حاضر کی ہمہ گیر شخصیت قلندر مومند"۔ باتیں صافی کی (کالم) عبدالقیوم صافی۔ 23 فروری 2003

روزنامہ "خبریں" پشاور

"قلندر مومند" د پښتو ادب جینیس". ڈاکٹر راج ولی شاہ خٹک۔ یکم ستمبر 2003 (پشتو ایڈیشن)

روزنامہ "جنگ" راولپنڈی

1. "قلندر مومند ہمیشہ استحصالی قوتوں کے خلاف برسر پیکار رہے"۔ (خبر) اجمل خٹک
2. کبھی اپنے قلم کو ذاتی مفاد کے لئے استعمال نہیں کیا"۔ افتخار عارف، فرحت اللہ بابر اور دیگر مقررین کا خراج عقیدت۔ اکادمی ادبیات پاکستان اسلام آباد کے زیر اہتمام تعزیتی ریفرنس۔ 3 مارچ 2003
3. "سرحد کا قلندر"۔ تعاقب (کالم) تحریر قیصر شاھد (دو اقساط) 3 مارچ 2003
4. "THE NEWS", ISLAMABAD"QALANDAR MOOMAND MATCHED WORDS WITH DEEDS RICH TRIBUTES PAID OF PASHTO POET".
5. "The Statesman" Peshawar:" Rich tributes paid to QALANDAR MOMAND "FRIDAY MARCH, 15, 2002

ہفت روزہ ''روشن پاکستان'' کراچی

1 ''قلندر مومند ایک منفرد شخصیت۔ سلیم راز۔ 11 فروری تا 18 فروری 2005

ان مطبوعات کے علاوہ ''مجلہ مرکہ مردان'' کے (قلندر مومند نمبر) کے لئے مجھے جو مواد موصول ہوتی ہیں اور جو ابھی تک شائع نہیں ہوئی ان میں بھی قلندر مومند کی شخصیت اور فن پر نہایت معیاری مقالات، مضامین اور نظمیں شامل ہیں۔ مذکورہ مواد کی فہرست محض یادداشت کے طور پر پیش خدمت ہے۔

1	قلندر مومند۔ چراغ آخر شب	ایاز داؤد زئی
2	''یاره قلندر ته دعا ګانې کړه''	م۔ر۔ شفق
3	''قلندر مومند۔ ایک تاثر''	عبداللہ جان عابد
4	''اوس خو قلندر ته دعا ګانې کړه''	شیرین زادہ خدوخیل
5	''قلندر مومند کی یاد میں'' ''مرکہ کی روشنی میں''	شیرین زادہ خدوخیل
6	''قلندر مومند''	اسرار طورو
7	''یاره! قلندر ته دعا ګانې کړه''	مفلس درانی
8	''قلندر جي په رښتيا قلندري کا''	سلیم راز
9	''قلندر جي په رښتيا قلندري کا''	ہدایت اللہ گل
10	''قلندر مومند کی ضرب الامثال''	ماخام خٹک
11	قلندر میرا یار	سعد اللہ جان برق
12	قلندر کے گجرے	مصطفیٰ کمال
13	اجمل خٹک کا پیغام حسرت کے نام	اجمل خٹک
14	مینار (نظم)	سعید گوہر
15	قلندر مومند کو خراج عقیدت (نظم)	پروفیسر نصیر الدین طالب
16	محترم قلندر مومند کی وفات (نظم)	شوکت حسین حسرت
17	پشتو کے مرد کاروان (نظم)	ایاز آبشار
18	قلندر کے نام خراج عقیدت (نظم)	نظر بادشاہ نظر (جو بعد میں قتل کیے گئے)
19	قلندر مومند کی یاد میں (نظم)	پروفیسر فہیم شاہ ظفر کاکاخیل
20	آہ۔ قلندر مومند (نظم)	صابر شنواری
21	قلندر مومند کے نام (نظم)	فضل شاہ
22	خراج عقیدت (نظم)	ہمایون ہمدرد

قلندر مومند کی سیاسی وابستگی اور ماحول

قلندر مومند کی پیدائش کے سال 1930 میں انگریزوں نے ظلم و بربریت کی انتہا کر کے قصہ خوانی میں "خدائی خدمتگار" تحریک کے نہتے کارکنوں پر گولیاں برسائی تھیں۔ 1946 میں جس وقت قلندر میٹرک کا امتحان دے رہے تھے، برصغیر میں ہر جگہ انگریزوں کے خلاف آزادی کی جنگ لڑی جارہی تھی جن میں بہت ساری چھوٹی سیاسی جماعتوں کے ساتھ ساتھ دو بڑی سیاسی جماعتیں آل انڈیا نیشنل کانگریس اور آل انڈیا مسلم لیگ نمایاں تھیں۔ مسلم لیگ کا مطالبہ تھا کہ ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم کیا جائے اور جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہو اسے پاکستان کا نام دیا جائے جبکہ کانگریس کا ہدف اور نعرہ متحدہ ہندوستان (اکھنڈ بھارت) تھا۔ 23 مارچ 1940 کو لاہور کے منٹو پارک (اقبال پارک) میں جو قرارداد منظور کی گئی تھی جسے بعد میں قرارداد پاکستان کا نام دیا گیا۔ اس کے نتیجے میں اگست 1947 کو ہندوستان تقسیم ہوا اور پاکستان ایک علیحدہ ملک کی صورت میں دنیا کے نقشے پر نمودار ہوا۔ جس کے پہلے گورنر جنرل محمد علی جناح (قائداعظم) تھے۔ چونکہ قلندر مومند ابتدا ہی سے سیاسی اور انقلابی سوچ کے حامل تھے اسی سوچ کی بنیاد پر وہ ہندوستان کی کمیونسٹ پارٹی سے منسلک تھے اور اس وقت سوشلسٹ نظریات کے حامل افراد پاکستان کے حامی تھے اور قائداعظم ان کے پسندیدہ رہنما تھے۔ آپ نے مرکر کے ایک اجلاس میں بتایا تھا کہ جب 11 ستمبر 1948 کو قائداعظم وفات پا گئے تو میں اس عظیم رہنما اور عالم فاضل شخصیت کی وفات پر بہت رویا تھا۔ اس وقت پشاور میں ہر طرف سرخ جھنڈے تھے۔ تمام لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔

قلندر مومند کے نظریات میں اس وقت انقلابی تبدیلی آئی جب 12 اگست 1948 کو بابڑہ (چارسدہ) میں مسلم لیگ کی حکومت نے خدائی خدمتگار تنظیم کے بے گناہ کارکنوں پر گولیاں برسائیں جس میں کئی سو قیمتیں جانیں ضائع ہوئیں۔ اس خونی واقعہ کے بعد قلندر مومند خان عبدالغفار خان کے پیروکاروں میں شامل ہو گئے۔

1957 میں جب پاکستان نیشنل پارٹی کی بنیاد رکھی گئی تو قلندر مومند نے بھی دوسرے تمام خدائی خدمتگاروں کی طرح اس پارٹی سے رشتوں کو مضبوط کیا اور دوسرے انقلابی شعراء اجمل خٹک، ولی محمد طوفان اور محمدی شاہ محمدی باچا کے ساتھ سنٹرل کمیٹی کے رکن منتخب ہو گئے۔

فارغ بخاری نے خدائی خدمتگار تحریک کے تیسرے دور 1957 اور پاکستان نیشنل پارٹی کے تاریخی پس منظر کا ذکر یوں کیا ہے:

"باچا خان ابھی جیل میں تھے کہ اُن کے مشورے سے مغربی پاکستان کے تمام

جمہوریت پسند رہنماؤں نے مل کر ایک نئی جماعت پاکستان نیشنل پارٹی کی بنیاد رکھی جس میں سندھ ہاری کمیٹی، آزاد پاکستان پارٹی اور خدائی خدمتگار کو مدغم کر دیا گیا۔"(10)

شوکت صدیقی نے لکھا:

"قلندر مومند کا سیاسی رشتہ نیشنل عوامی پارٹی سے تھا اور نظریاتی اور سیاسی وابستگی کیمونسٹ پارٹی کے ساتھ تھی۔"(11) اس سلسلے میں قلندر مومند نے لطیف وہمی اور گل محمد بیتاب کو ایک انٹرویو دیا تھا۔ اس حوالے سے ایک اقتباس پیش کرتا ہوں:

وہمی: قلندر صاحب! آپ کا تعلق ایک علمی خاندان سے تھا۔ پھر ترقی پسندی کی طرف کس طرح مائل ہو گئے؟

قلندر: جب آپ خود کہتے ہیں کہ میرا تعلق علمی خاندان سے تھا تو کیا ترقی پسندی علم سے علیحدہ کوئی چیز ہے۔ ہماری ترقی پسندی مذہب کے خلاف نہیں تھی اور ہونا بھی نہیں چاہئے اور جس خاندان سے میرا تعلق ہے وہ علمی بھی تھا اور ترقی پسند بھی۔ ہمارے آباؤ اجداد سید احمد شہید بریلوی کی تحریک میں شامل تھے۔ ہمارے ایک دادا ان کے ساتھ شہید بھی ہوئے تھے۔ ایک غازی تھا۔ ان کا مزار اب بھی اخون غازی بابا کے نام سے مشہور ہے۔
میں بھی اسی طرح ہوں۔

بیتاب: آپ نے باقاعدہ سیاست کتنا عرصہ کی ہے؟

قلندر: مجھے صحیح تاریخ تو یاد نہیں لیکن جس وقت سکول میں پڑھتا تھا اس زمانے میں کئی جماعتیں آزادی کی تحریک میں سرگرم عمل تھیں۔ کاکاجی صنوبر حسین مومند بھی ہمارے خاندان کا ایک حصہ تھے۔ کاکاجی اور اسلم لالا دونوں لفٹسٹ تھے۔ یہی ہمارے ہیرو تھے۔ اور اسی وجہ سے میں "کیمونسٹ پارٹی آف انڈیا" سے متاثر تھا۔(12)

قلندر مومند کی شخصیت اور فن

قلندر مومند نے اپنی ساری زندگی پشتو ادب کی ترقی اور ترویج کے لئے وقف کی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ادب کے ہر شعبے میں ان کا کام سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ زندگی کے آخری سالوں میں آپ نے صرف تحقیق اور تنقید کا کام کیا ہے۔ قلندر مومند جدید تعلیم سے آراستہ ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔ وہ ادب میں مقصدیت اور ادب برائے زندگی کے قائل تھے۔ آپ کی ابتدائی ادبی تربیت کاکاجی صنوبر

حسین مومند نے کی۔ دوست محمد خان کامل اور امیر حمزہ خان شنواری جیسے نابغہ شخصیات نے بھی آپ کی تربیت میں حصہ لیا تھا۔ ان شخصیات نے قلندر مومند کی تخلیقی، تنقیدی اور تحقیقی صلاحیتوں کے ابھارنے میں کافی مدد کی تھی۔ ان کے علاوہ محمد افضل بنگش اور انقلابی شاعر محمد اجمل خٹک کے افکار سے بھی قلندر مومند نے اثرات قبول کئے۔ "اولسی ادبی جرگہ" میں چونکہ زیادہ تر اراکین ترقی پسند نظریات کے حامل تھے اس لئے قلندر مومند بھی ابتداء ہی سے اس سوچ اور نظریئے کے ترجمان اور نمائندہ بن گئے۔

قلندر مومند عام زندگی میں بھی نہایت سادہ اور مخلص انسان تھے، آپ کی ذات محبت، مروت، خلوص اور علوم وفنون کا سرچشمہ تھی۔ آپ خوش شکل، خوش لباس، خوش اخلاق اور نفیس انسان تھے۔ محبت کرنے والے بردبار، ملنسار، وضع دار، ہمدرد اور دوسرے تمام انسانی صفات کے حامل اور ترجمان تھے۔ شعر و ادب کے روشن چراغ اور مینار تھے۔ اپنے ترقی پسند نظریات کی بناء پر ہمیشہ زیر عتاب رہے۔ آپ پر روزگار کے دروازے بند کئے گئے۔ قید و بند کی صعوبتوں کو برداشت کیا لیکن اپنے نظریات اور اصولوں پر کبھی بھی سودا بازی نہیں کی۔ آپ کے بارے میں ترقی پسند ادیب اور صحافی سلیم راز کہتے ہیں:

> "یہ وہ دور تھا جب قلندر مومند کو سرکاری ملازمت سے برطرف کیا گیا تھا۔ لاہور شاہی قلعہ کے عقوبت خانے سے زندہ نکلنے میں کامیاب ہوئے تھے اور پشاور میں دوست محمد خان کامل کے بالا خانے (دفتر) اور اس کے نیچے کسینو کیفے میں اٹھتے بیٹھتے۔ مقامی اور باہر سے آنے والے شاعران کے گرد جمع ہوتے اور ادبی اور سیاسی موضوعات پر تبادلہ خیال کرتے رہتے۔ اس وقت وہ صرف شاعر اور افسانہ نگار قلندر نہیں تھے بلکہ ایک مدبر، دانشور، اور مبارز قلندر تھے۔ شباہت اور وجاہت میں سٹالن اور مکالمہ اور موقف میں سقراط تھے۔ آپ کے ایک ہاتھ میں انقلاب کا علم اور دوسرے ہاتھ میں احتساب کی کتاب ہوتی وہ بہ یک وقت وطن دشمن عناصر اور جہالت کی تاریکیوں سے برسر پیکار تھے۔ آپ کی خواہش تھی کہ ظلم، جبر اور استحصال سے پاک ایک غیر طبقاتی معاشرہ وجود میں آئے۔ آپ چاہتے تھے کہ انسانی زندگی علم، یقین، عمل، محبت، خوبصورتی اور امن کی روشنی سے مزین ہو۔ یہی وجوہات تھیں کہ شاہی قلعہ اور دوسرے جیلوں کی صعوبتیں آپ کی شخصیت اور حوصلے کو شکست نہ دے سکے، البتہ آپ کے رویے اور خیالات میں فکری سنجیدگی ضرور پیدا ہوئی۔" (13)

قلندر مومند بنیادی طور پر ترقی پسند نظریات کے حامل شاعر و ادیب تھے اور ادب برائے زندگی کے قائل اور مبلغ تھے۔ آپ کی شخصیت وسیع مطالعے، تجربے، انتہائی علمیت، ذہانت اور انکساری سے عبارت تھی۔ آپ کی شاعری فنی صداقتوں اور زندہ حقیقتوں کی ترجمان تھی۔ آپ کے افسانے تخلیقی ادب کے

بہترین نمونے ہیں۔ آپ کی کتاب "سباوُون" اور افسانوں کی کتاب "ٹھجرے" اب بھی متعلقہ اصناف کی بہترین کتابوں میں شمار کی جاتی ہیں۔ اس سلسلے میں سلیم راز اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتے ہیں:

"ہم بلا خوف تردید یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ آج قلندر اگر قلندر ہے تو "سباؤن"" اور "ٹھجری" کے حوالے سے قلندر ہے۔ وہ مذکورہ کتابوں کی تناظر میں اپنی شناخت اور انفرادیت رکھتا ہے اور "سباؤن"" اور "ٹھجری" ہی کی فنی خوبیوں کی بنیاد پر لوگ ان کی قدر اور احترام کرتے ہیں۔ یقیناً ان کے دوسرے علمی اور تحقیقی کارنامے بھی قابل ذکر اور قابل قدر ہیں، لیکن ان کا اصل مقام ماضی کی ترقی پسندی، سیاسی نظریات، قوم پرستی اور طبقاتی رویئے نے متعین کی ہے۔"(14)

قلندر مومند کی ذہنی صلاحیتوں کا اعتراف دوست محمد خان کامل نے "سباؤن" (سحر) کے دیباچے میں یوں کیا ہے:

"قلندر مومند کو اللہ تعالیٰ نے بے انتہا ذہنی صلاحیتیں عطا کی ہیں اور شکر کا مقام ہے کہ اس نے قدرت کی ان عنایات کو علمی اکتساب کے ذریعے مزید اجاگر کیا ہے۔ وہ تقریباً تمام منظوم اور منثور اصناف پر قدرت اور عبور رکھتا ہے۔ وہ مقصدی ادب کا قائل اور نقیب ہے اور ادب و فن دونوں کا رشتہ زندگی سے جوڑتا ہے اور یہ روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ انسانی فکر، قول اور عمل کی قدر و قیمت کا دارومدار مقصد پر ہے، اچھائی اور برائی پر ہے۔ اگر فرد کے قول و فعل کا مقصد نیک ہے تو ٹھیک ہے ورنہ پھر بد، بے قدر اور باطل ہے۔ پھر مقصد کی افادیت میں جتنی وسعت ہوگی اتنا ہی بہتر ہوگا اور اسی طرح فلاح میں جتنی گہرائی اور نیرنگی ہوگی، مقصد میں اتنی زیادہ بہتر ہوگی۔ تو مقصدی ادب سے مراد وہ ادب ہے جس کے تقاضے زندگی کی خوبصورتی اور بہتری میں مضمر ہے۔"(15)

قلندر مومند ابتدا ہی سے اپنے ہم عصروں میں مقبول، ممتاز اور ہردلعزیز شخصیت رہے ہیں اور یہ ان کی خصوصیت ہے کہ پشتو ادب کی تاریخ میں ہمیشہ اپنے آپ کو منفرد ثابت کیا ہے۔ آپ نے زندگی کے لئے جو راستہ چنا ہے اور اس پر چلنے اور عمل کے لئے جو اصول وضع کئے ہیں اس پر چلنا اور ثابت قدم رہنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں اور یہی وجہ ہے کہ بہت سارے دوست ان کا ساتھ نہ دے سکے اور راستے ہی میں ان کو اکیلا چھوڑ گئے۔ لیکن ان کے بعض بہت اچھے اور محبت کرنے والے دوست بھی رہے ہیں جنھوں نے ہمیشہ آپ سے محبت کی ہے اور آپ کو حوصلہ دیا ہے۔

ایوب صابر (مرحوم) نہایت اچھے شاعر، ادیب، محقق اور نقاد تھے قلندر مومند کے دیرینہ دوست اور

معتقد تھے "سباؤن" پر قلندر مومند کے خاکے "جینئیس" میں یوں رقمطراز ہیں:

"ایک مغربی مفکر کا قول ہے کہ عام آدمی وہ ہے جو پیدا ہو کھاتا ہے، پیتا ہے، لیٹتا ہے، کام کرتا ہے اور مر جاتا ہے اور ہر شخص جو اس معیار پر پورا نہ اترے یا اس سے بلند ہو وہ یا تو پاگل ہے یا پھر جینئیس ہے۔ اور میں نہیں سمجھتا کہ قلندر مومند کو کیا نام دوں، پاگل یا جینئیس؟ پاگل اس لئے نہیں سمجھتا کہ وہ عام آدمی کے معیار سے بلند ہے صرف پیدا ہونے کا سزاوار نہیں ہے، صرف کھاتا پیتا اور لیٹتا نہیں ہے، صرف کام نہیں کرتا بلکہ شاعری بھی کرتا ہے اور شاعری میں اتنے بلند مقام پر فائز ہے کہ مرنے کے بعد بھی زندہ رہے گا۔ یہ سب ٹھیک ہے لیکن ان کی بدقسمتی یہ ہے کہ دنیا اور قدرت جینئیس کا ساتھ نہیں دیتی۔ قلندر مومند ایک سچا، بااصول او باضمیر پشتون ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ وہ ملحد تھا اور نہایت خلوص سے ملحد تھا۔ پھر جب اس کے نظریات میں تبدیلی آئی اور وہ خدا پرست ہو گئے تو بعض لوگ پھر بھی آپ کو ملحد گردانتے ہیں۔ اسی تناظر میں آپ نے اعلان کیا۔"

تور باطنه، کج فطرته دمشقیان پري نهٔ پوهیږی
هر سرود مې حجازی دے هر یو ساز مې لولاکی دے

ترجمہ:

سیاہ باطن اور کج فطرت دمشقی نہیں سمجھ سکتے
کہ میرا ہر سرود حجازی اور ہر ساز لولاکی ہے۔

"قلندر مومند پشتو ادب کے تمام اصناف پر حاوی ہیں۔ وہ شاعر بھی ہیں افسانہ نگار اور ڈرامہ نگار بھی، نقاد بھی اور محقق بھی، مورخ اور سوانح نگار بھی۔ یہ تمام صلاحیتیں بہ یک وقت بہت کم لوگوں میں یکجا ہوتی ہیں۔ قلندر مومند کا کمال صرف یہ نہیں ہے کہ پشتو ادب کے ہر صنف پر حاوی ہے بلکہ یہ بھی ہے کہ کسی بھی صنف میں اپنے معیار کو گرنے نہیں دیا ہے"(16)

ایاز داؤدزے پشتو کے معروف، منفرد اور ممتاز نقاد ہیں۔ آپ نے اپنے ایک مضمون "قلندر مومند نظریاتی فنکار" میں قلندر مومند کا خاکہ اس طرح کھینچا ہے:

"قلندر مومند تو عمر نوجوان تھے، کشادہ پیشانی، سرخ و سفید چہرہ، مضبوط بدن، بڑی بڑی اور زندگی سے بھرپور آنکھیں، چوڑا اور تنا ہوا سینہ، جسمانی لحاظ سے فوجی کمانڈر معلوم ہوتا تھا۔ ذہنی لحاظ سے میں اسے حوالے کی کتاب (REFERENCE BOOK) سمجھ رہا تھا۔ زبردست حافظے کا مالک تھا اور

علمی مطالعہ بھی عجیب وغریب تھا۔اس وقت انگریزی کی اصطلاح (ANGRY YOUNG MAN) نے نیا نیا رواج پایا تھا۔ میں جب ان کو دیکھتا تو یہی سمجھتا کہ مغربی دنیا کا (ANGRY YOUNG MAN) بھی اسی طرح کا ہوگا۔
قلندر مومند اگر آج بہترین شاعر، نقاد، محقق اور عالم ہے تو یہ تمام منازل آپ نے جوانی میں طے کی ہیں۔آپ نے ''کجھرے'' کے لافانی اور بین الاقوامی معیار کے افسانے اس زمانے میں لکھے ہیں۔'' (17)

سید تقویم الحق کاکاخیل (مرحوم) قلندر کے نہایت قریبی اور مخلص دوست تھے۔وہ لکھتے ہیں:

''قلندر مومند ایک بڑے ادیب اور عالم ہیں اس لئے نہیں کہ وہ غزلیں، نظمیں اور افسانے لکھتے ہیں۔یہ سب کچھ وہ لکھ چکے ہیں اور اعلیٰ معیار کے لکھ چکے ہیں۔ میں ان معانی میں اسے عالم سمجھتا اور کہتا ہوں کہ وہ ماہر لسانیات وقواعد ہیں اور آپ کی ترتیب شدہ لغت ''دریاب'' ایک علمی، ادبی اور تحقیقی کارنامہ تصور ہوگا۔'' (18)

قمر راہی نہ صرف یہ کہ ''قند'' مردان کے حوالے سے ایک معتبر نام ہے بلکہ شعروادب اور صحافت کی دنیا میں بھی کسی تعارف کے محتاج نہیں۔وہ قلندر مومند کی شخصیت کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتے ہیں:

''قلندر مومند کمیونسٹ ہیں اور نہ ہی اپر چونسٹ، بلکہ ایک خالص اور مخلص نیشنلسٹ ہیں۔اپنی ترقی پسند ذہن کی وجہ سے ہمیشہ حالات کے جہنم میں محبوس رہ چکے ہیں اور وقت کے ''سندرع الذبانیہ'' نے ہمیشہ ان پر سخت پہرہ دے رکھا ہے۔اب بھی وقت کے کراماً کاتبین کے پرانے کھاتوں میں اس کا نام ''خطرناک آدمی'' کی حیثیت سے محفوظ ہے۔انگریزی میں سیکنڈ ڈویژن ایم۔اے اور ایل ایل بی میں گولڈ میڈل کے باوجود وہ ہمیشہ روزگار کی تلاش میں سرگرداں رہے ہیں۔قلندر مومند کو پشتو کے جدید ادب سے نکالا جائے تو پشتو افسانہ، تنقید، غزل، نظم اور اب تو تحقیق بھی مفلسی کا شکار ہو گئے۔قلندر مومند کو نہ تو خستہ حالی نے شاعر بنایا ہے اور نہ فیشن کے لئے پشتو میں لکھتے ہیں۔وہ پیشہ ور ادیب بھی نہیں ہیں۔کمائی اردو اور انگریزی کے ذریعے کرتا ہے اور خرچ پشتو پر کرتا ہے۔'' (19)

اسی خاکے میں آگے چل کر لکھتے ہیں:

''قلندر مومند ایک سمندر ہے۔ایک متنوع شخصیت ہے۔اس کے بہت سارے حوالے ہیں وہ ادب کے تمام اصناف پر حاوی ہیں اس کی سیاسی زندگی ہے، رنجھور

اور لاہور کا قصہ ہے، علمی پس منظر ہے۔ کئی بار ان کو نظریات کی بنیاد پر روزی سے محروم کیا گیا۔ "قند" میں ان کی تحریریں ہیں، کتابیں ہیں، تنگ وددو ہیں، غزل ہے، نظم ہے، افسانہ ہے، تنقید ہے، تحقیقی کارنامے ہیں۔ ان کے علاوہ بہت سی خصوصیات ہیں۔ ایسے کوزے کو دریا میں بند کرنا آسان کام نہیں۔" (20)

میں نے اپنے پشتو مقالے" قلندر مومند کی عظمت" میں اس کی زندگی، شخصیت اور فن کے حوالے سے لکھا تھا:

'' قلندر مومند کا فن اور شخصیت مختلف النوع ہے۔ ان کے موضوعات میں اتنی گہرائی ہے کہ اس کا احاطہ ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ دوست محمد خان کامل مومند کے بعد سوائے قلندر مومند کے ایسی شخصیت نظر نہیں آئی جو کہ پشتو زبان و ادب کا حق ادا کر سکے۔ کیونکہ قلندر مومند ایک عام فرد کا نام نہیں وہ ایک دور اور ایک تحریک ہے اور انفرادی طور پر ایک ادبی مکتب ہے۔ بعض اوقات لکھنے والے کے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوتا ہے کہ ان کے کونسے پہلو پر لکھا جائے کہ وہ بیک وقت تمام اصناف پر حاوی ہے اور سب سے بڑی بات ان کی انسان دوستی ہے وہ محبت، امن اور خوشی کا داعی ہے۔ انسان اور انسانیت کا پرستار ہے۔ انسان سے محبت ہی ان کا نصب العین ہے۔'' (21)

اس کے باوجود ہمیشہ الزامات کا شکار رہا ہے۔ اس کے باوجود نہ کسی سے دشمنی کی ہے اور نہ کسی کے خلاف انتقامی کاروائی کی ہے۔ وہ اپنی زندگی کا فلسفہ ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

زما ژوند نهٔ ختميد ونکے حرکت دے
زما روح يوه لمبه ده حرارت دے
زما دين مينه الفت دے محبت دے
سياست مې هر جابر ځنې نفرت دے
(22)

ترجمہ:

میری زندگی سفر ناتمام ہے
میری روح ایک شعلۂ جوالہ ہے، حرارت ہے
میرا دین پیار، الفت اور محبت ہے
میری سیاست ہر جابر سے نفرت ہے

قلندر مومند حیات اور ادبی خدمات

گلستان کۀ مې په وینو تازه کیږی
هر ازغے دې هم زما په زړۀ کښې مات شی
(23)

ترجمہ:

اگر گلشن کی تازگی مرے خون سے ہو سکتی ہے
تو تمام کانٹے میرے ہی دل میں چبھ جائیں

ویسے تو ہم پشتو زبان اور ادب کی تاریخ میں چند ایسے ہم نام شعرا کو جانتے ہیں جو قلندر کے نام سے معروف ہیں ان میں ایک میں قدیم "قلندر آفریدی" (24) جبکہ دو جدید شعراء اور ادیب ہیں اور یہ دونوں باڑہ کے مومند ہیں ایک تو زیر بحث شخصیت قلندر مومند ہیں اور دوسرے مرحوم محمود قلندر (25) بڈھ بیر کے (26)۔

قلندر مومند کو اپنی زندگی میں درپیش ناموافق حالات کی وجہ سے یہ موقع ہاتھ نہ آیا کہ وہ اپنی طبیعت اور چاہت کا کوئی پیشہ مستقل اپنا لیتے ورنہ آج وہ ایک کامیاب اور نامور پروفیسر یا قانون دان ہوتے کیونکہ وہ قانون اور نفسیات کا وسیع مطالعہ رکھتے تھے۔ اسی وسیع مطالعے نے ان کے ذہن اور فن کو جلا اور خوبصورتی بخشی ہے۔ قلندر مومند ایک محبت کرنے والے انسان ہیں اور محبت کے قدر دان ان کے حلقہء احباب کا دائرہ انتہائی وسیع ہے اور ان میں ہر قسم کے لوگ شامل ہیں۔ ان تمام کے ساتھ غمی خوشی میں شریک ہوتے ہیں، ان کی خبر گیری کرتے ہیں اس وجہ سے انہیں کام نمٹانے کے لئے رات گئے دیر سے موقع ملتا ہے۔ جس طرح محبت کرنے والے ہیں اس طرح ناراضگی جلدی اور تادیر ہوتی ہے اور ناراض ہونے کے بعد انہیں منانا بھی کافی محنت طلب کام ہوتا ہے۔ دوستوں کی طرح ان سے ناراض ہونے والوں کا حلقہ بھی وسیع ہے۔ کوئی ایسا اور کوئی ویسا، کوئی برحق اور کوئی ناحق ناراض (27)۔ کوئی بھی ادبی مجلس ان کے ذکر کے بغیر نامکمل ہوتی ہے۔ (28)

قلندر ایک خوددار انسان ہیں اور اسی خودی کو قائم و برقرار رکھنے کے لئے انہوں نے بڑی سے بڑی قربانی دینے سے دریغ نہیں کیا۔ وہ حقیقت میں مرزا محمود سرحدی کے اس شعر تضمین کے مصداق ہیں۔

ہم نے اقبال کا کہا مانا اور فاقوں کے ہاتھوں مرتے رہے
جھکنے والوں نے رفعتیں دیکھیں، ہم خودی کو بلند کرتے رہے

راست گو اور راست باز ہیں اور پشتو کے اس ضرب المثل کے قائل ہیں۔

''سیدھے رہو سر راہ لیٹے رہو''یا''براہ راست برو اگرچہ دور باشد''

ترجمہ:

''فتح آخر شاہینوں کو نصیب ہوگی، یہ کوے آخر بکھر ہی جائیں گے''(خوشحال)

قلندر واقعی قلندر ہیں۔ ایک سچے قلندر کچھ نہیں رکھتے تبھی تو اس عمر میں بھی نان نفقے کے لئے جدوجہد جاری رکھے ہوئے ہیں۔ حرص ولالچ سے غرض نہیں بلکہ زندگی گزارنے کے لئے جیسا کہ رحمان بابا نے ایک شعر میں کہا ہے:

ذ دلبرو صدقې لره نې غوارم
هسې نه چې په دنيا پسې زهير يم

ترجمہ:

''حسینوں کے نام صدقہ کرنے کے لئے مانگتا ہوں۔ ایسا نہیں کہ دولت کے لئے زحیر ہوں''

جناب قلندر مومند پشتونخوا کے مشہور ادبی تنظیم''اولسی ادبی جرگہ'' کے مستقل رکن بھی رہے اور جنرل سیکریٹری بھی۔ جب سال 1962 میں اس جرگے کا شیرازہ بکھر گیا تو قلندر مومند نے چابکدستی سے دوسری ادبی تنظیم "ذ ساهو ليكوونكيو مركه" کی بنیاد رکھ دی۔ مقصد یہ تھا کہ جرگہ کے لکھاریوں میں تنقیدی شعور اور ادبی ذوق پروان چڑھنے کا یہ عمل اسی طرح جاری وساری رہے۔ یہ نشستیں اپنے پروگرام کے مطابق اب تک ہوتی رہتی ہیں جس میں لکھاریوں کی کثیر تعداد ذوق اور شوق کے ساتھ شرکت کرتی ہے اور قلندر مومند جو کہ "اولسی ادبی جرگه" کا تربیت یافتہ ہے کے علم اور آگہی سے استفادہ کرتے ہیں۔

یہاں یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ قلندر مومند نے اپنی بہت سی غزلیں، افسانے اور نظمیں اولسی ادبی جرگہ کے مشاعروں اور تنقیدی نشستوں میں سنائی ہیں جس کا مقصد یہ تھا کہ جرگہ پشتو ادب میں تنقید اور اصول کے طور طریقے اچھی طرح متعارف کرائے اس طرح پشتو زبان کو دوسری زبانوں کی صف میں لا کھڑا کیا۔

قلندر مومند نے سال 1987 میں''ذ ساهو ليكوونكيو مركه'' کے سلور جوبلی تقریب منعقد کرنے کے سلسلے میں دوسرے لکھاریوں کے ساتھ ساتھ داور خان داؤد کو بھی گذشتہ پچیس سالوں

(1987-1962) میں پشتو ادب کے ارتقاء کے حوالے سے منظوم یا منثور صنف پر مقالہ تحریر کرنے کے لئے کہا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ تقریب کے انعقاد سے قبل یہ تمام مقالات ایک کتابی شکل میں چھپ جائیں اس غرض سے داور خان داود صاحب نے اپنا مقالہ پشتو فوکلور گذشتہ پچیس سالوں (1987-1962) کے حوالے سے لکھا تھا۔ یہ ایک اچھا ارادہ اور عمل تھا لیکن نا معلوم وجوہ کی بنا پر یہ تقریب منعقد نہ ہو سکی۔ داور خان داود کو اس پر فخر ہے کہ موصوف کیساتھ ایک عرصہ تک اٹھنے بیٹھنے اور شاگردی کا اعزاز حاصل ہے۔ یہ سال 1960 سے 1964 تک کی بات ہے۔ ان دنوں قلندر مومند ایک مجلس آراء شخصیت تھے۔ پشاور کے مختلف مقامات پر دوستوں اور شاگردوں کی کثیر تعداد ان کے ساتھ اکٹھی ہو جاتی تھی اور علم و ادب پر بحث مباحثے کا دور چلتا بعد ازاں جب سال 1962 میں "د ساھو لیکو نکیو مرکہ" کی تشکیل ہوئی تو ایک مدت تک مجلس اور بحث "مرکہ" کے ساتھ متوازی چلتے رہے لہٰذا آخر بعد "مرکہ" میں مدغم ہوئے۔ کیونکہ اب ان کے ساتھ کتب کی بجائے ادب کی فکر تھی۔ راقم الحروف نے بھی ابتدائی اجلاسوں میں کچھ مدت تک شرکت کی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ صحافت ایک معزز پیشہ ہے جو حق گوئی، بیباکی، جراءت اور صداقت سے عبارت ہے۔ اس کو دنیا بھر میں ایک اعلیٰ اور مضبوط قوت سمجھا جاتا ہے۔ قلندر مومند نے پشتو، اردو، انگریزی مجلوں اور روزناموں میں بحیثیت صحافی بھی خدمات سرانجام دی ہیں۔ وہ ایک کامیاب صحافی بھی تھے۔

قلندر مومند ایک بہترین شاعر، ادیب، نقاد، محقق اور مقرر کے علاوہ ایک نامور صحافی بھی سمجھے جاتے ہیں۔ انھوں نے روزنامہ "انجام"، "شہباز" اور بانگ حرم میں بحیثیت مدیر اپنی صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کیا ہے۔ سابقہ مشرقی پاکستان کے انگریزی مجلوں "دنیک پاکستان" اور ویکلی ہالیڈے کے نمائندے رہے اس کے علاوہ "خیبر میل"، "پشاور ٹائمز"، فرنٹیئر گارڈین، نقیب سرحد اور انقلاب کے ساتھ بھی منسلک رہے (29)

کچھ عرصہ قبل تک روزنامہ "مشرق" کے کالم نگار رہے ہیں۔ روزنامہ آج میں کالم "حالنامہ" کبھی کبھار لکھتے تھے جو سیاست دوراں پر تنقید اور تبصرے سے متعلق تھا۔ اس کے علاوہ جب وہ پشاور یونیورسٹی کے شعبہ انگریزی کے طالب علم تھے تو جنرل آف انگلش لیٹریری کلب طلبا کے مدیر بھی رہے۔ ہفت روزہ مجلّہ "رہبر" کے ادارت میں طوفان اور مہدی کے ہمراہ بحیثیت مدیر کام کیا۔ اس کے بعد انھیں ماہوار سالے "ننگیالے" کے مدیر کی ذمہ داری سونپی گئی اور بعد ازاں چند مہینوں کے لئے "لار" نامی رسالے کے اڈیٹر کے فرائض بھی ادا کئے۔ (30)

قلندر مومند کے پیشہ صحافت کی ابتدا سال 1962 چار صفحات کے اردو اخبار "الحق" سے ہوئی اور اخبار کے تمام مراحل سے خود گزرتے رہے۔ اس کی سرکولیشن 60 تھی قلندر یہ اخبار اپنے دوستوں میں

بانٹتے اور اپنا شوق پورا کرتے رہے۔(31)

اور جن دنوں گومل یونیورسٹی میں تھے تو یونیورسٹی کے میگزین "دانش" کے چیف ایڈیٹر تھے اور کراچی کے "روزنامہ انجام" کے سب ایڈیٹر کے فرائض بھی سنبھالتے رہے اور جب اس اخبار کو نیشنل پریس ٹرسٹ کے لئے خریدا گیا تو پشاور "روزنامہ انجام" کے ایڈیٹر چنے گئے۔غرض یہ کہ قلندر مومند نے ایک لمبا عرصہ صحافت میں گزارا۔

قلندر مومند میدان ادب کے تمام اصناف کے شہسوار ہیں اور ان کی رائے ایک سند کا درجہ رکھتی ہے جس کو چیلنج یا رد کرنا مشکل ہے۔ ہر چند کہ جب پشتو کے عصر حاضر کے منظوم اور منثور ادب میں قلندر کا اثر نمایاں ہے تو اس وجہ سے ان کی ادبی حیثیت کے ہر پہلو پر تفصیلاً روشنی ڈالنا ضروری ہے تا کہ ان کے فکر و فن کے چھپے گوشے منظر عام پر آسکیں۔

قلندر مومند ہمہ جہت ادبی شخصیت کے مالک ہیں۔ رخصت ہونے والی بیسویں صدی کے پشتو ادب کے مشہور صحافی، نامور شاعر، منفرد افسانہ نگار، صاحب طرز ادیب، معروف نقاد، ماہر مترجم، مانے ہوئے محقق، تجربہ کار لغت نویس اور لسانیات کے ایک اعلیٰ ماہر ہر چند کہ بس تخلص کے قلندر ہیں لیکن ہیں پشتو زبان وادب کے بے تاج بادشاہ۔

"اگر قلندر کو پشتو کے جدید ادب سے نکال باہر کیا جائے تو پشتو افسانہ، تنقید، غزل اور نظم مفلس ہو جائیں۔قلندر کو نہ تو غم دوراں نے شاعر بنایا ہے اور نہ انہوں نے بطور فیشن پشتو ادب کو اپنایا ہے۔قلندر مومند پیشہ ور ادیب بھی نہیں ہے۔روٹی رزق اردو، انگریزی سے کماتے ہیں اور بخشتے پشتو ادب کو ہیں۔(32)

قلندر پیدائشی شاعر اور فنکار ہے ان کے فطری صلاحیتیں خوب نکھری ہوئی ہیں۔ وہ نہ صرف ہمارے علاقے کے ایک معزز علمی اور ادبی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں بلکہ خود بھی مشرقی اور مغربی ادب کا خوب اور گہرا مطالعہ کئے ہوئے ہیں۔پشتو کے علاوہ عربی، فارسی اور انگریزی پر بھی استعداد رکھتے ہیں اور ان کے علمی اور ادبی آثار سے خوب واقف ہیں۔ان تمام معلومات نے ان کے فنی خوبصورتی کو بہت کچھ بخشا ہے۔(33)

جیسا کہ ظاہر ہے قلندر مومند نے دیگر اکثر علماء کی طرح اپنے لمبے ادبی سفر کا آغاز شاعری سے کیا ہے اور بعد ازاں پشتو شعر وادب کے مختلف جہت، انداز اور صنف اپنائے ہیں۔ جیسا کہ انہوں نے ایک ہمہ رنگ لکھاری اور فنکار کی حیثیت سے ادب دنیا میں اپنی پہچان اچھی طرح کرائی ہے تو اسی طرح ہر ادبی صنف کو اعلیٰ معیار اور فن کو معراج تک پہنچایا ہے اور یہی وجہ ہے کہ کسی بھی صنف کو اپنے متعین کردہ معیار سے گرنے نہیں دیا ہے۔

قلندر مومند کو ابتدا میں ہی ایک علمی اور ادبی ماحول میسر آیا اس ماحول سے وہ کیسے الگ تھلگ رہتے کہ جیسا وہ خود بیان فرماتے ہیں:

"میں چشم روشن سے ادبی میدان میں آیا ہوں کہ یہ ہمارا خاندانی میدان ہے۔

میں شاعر، میرے والد شاعر، میرے نانا شاعر اور یہاں تک کہ پشتو کا یہ مصرعہ بھی میرے ایک دادا کا ہے۔

مونږ ذ هند په غزا لاړو
سن مو بیا موند ذ غزا نه

(34) ۱۰۰۸ھ

ترجمہ:

ہم غزائے ہند کے لئے گئے اور اسی "غزا" سے سن ہاتھ آیا۔ (۱۰۰۸ھ)

قلندر مومند نے اپنی شاعری کی ابتدا کم عمری سے کی۔ قلندر کی شاعری کی کلی نے دھیرے دھیرے آنکھ کھولی اور سال 1940ء میں پہلی بار "خیبر میل" اخبار کے صفحات میں جوان دلوں پشتو میں چھپتا تھا میں اپنی غزل کے موتی اس طرح بکھیرے:

زما د اوښکو دا قطرې د زړهٔ اواز نهٔ شي
د یاس نظر نه مې شورش د محفل ساز نهٔ شي

(35)

ترجمہ:

میرے آنسو کہیں صدائے دل نہ بن جائیں
یاس کی نظر سے محفل میں شورش برپا نہ ہوجائے

قلندر کی شاعری کو اس دور کے حالات مخصوصہ، ادبی رجحان، معاشرتی اور سیاسی اقدار کے تناظر میں پرکھنا اور مطالعہ کرنا ضروری ہے۔

انگریزوں کے سیاسی غلبے کے ردعمل میں اصلاح افاغنہ اور بعد ازاں خدائی خدمتگار تحریک کے نام سے جو سیاسی سرگرمیاں شروع ہوئیں تو ان اصلاحی اور پھر سیاسی سٹیج نے نے بھی بہترین اور شعلہ بیان ادیب اور شاعر پیدا کئے انہوں نے عوامی بیداری کے لئے ترانوں اور غلامی کی زنجیروں کو توڑنے کی غرض سے انقلابی نظموں اور جان نثاری کا سبق دینے کے لئے اشعار لکھے ان میں عبدالاکبر خان اکبر، عبد الخالق خلیق، فضل محمود مخفی، امیر نواز جلیا، محمد اسلم شرر، میاں احمد شاہ بیرسٹر، کرامت شاہ فولاد، عبدالمالک فدا، غنی خان، فضل احمد غرا اور دیگر شعراء شامل ہیں۔ (36)

پشتو ادب میں شعراء کرام کا یہ طبقہ سیاسی فکر کتب یا مقصدی شاعری کے فکری کتب سے تعلق رکھتا ہے۔ جب برصغیر پاک و ہند میں انگریز سامراج کا راج تھا تو دیگر مسلمانوں کی طرح پختونوں نے بھی اپنے حق کے حصول کی خاطر جہاد کے لئے کمر کس لی تھی اور اس ملی جہاد کے نتیجے میں کثیر تعداد کے پشتون شعراء انگریزی راج کے ظلم و زیادتی کے شکار ہو کر پس زنداں ہوئے تھے اسی وجہ سے اس دور کے تمام

شعری اور ادبی رجحان جذباتیت، حساسیت، صداقت اور مقصدیت کا عام رواج اور مقصد بن گیا تھا اور اس رجحان نے پشتو میں مقصدی، سیاسی، انقلابی اور نظریاتی شعراء کا ایک بڑا طبقہ پیدا کیا اس میں عوامی شعرا بھی شامل تھے لیکن زیادہ تر اس میں وہ شاعر، ادیب تھے جنہوں نے اپنے فن کو اپنے مقصد، نظریئے اور عقیدے کا تابع بنایا۔ مثال کے طور پر:

توپې په جرمن خلاصېږي ورانه ورانی دلته ده
پلار له زویه تښتي د قیامت نښانی دلته ده
ټول ئې مزدوران دی خان، سید، ملا ترې خلاص نه دے
جوړه چې تر څو د فیرنګیانو خانی دلته ده

(عبدالمالک فدا)

ترجمہ:

توپیں جرمنی میں گرج رہی ہیں اور ویرانی یہاں پر ہے
قیامت کی نشانی ہے کہ باپ بیٹے سے بھاگ رہا ہے۔ خان
سیداور ملا سبھی ان کے مزدور ہیں
جب تک یہاں فرنگیوں کی خانی ہے

☆

کهٔ دې خیال د ازادۍ د خپل وطن وی
مهٔ وېرېږه کهٔ دې مخښکې مشین ګن وی
کهٔ زما په باغ خزان دے زهٔ ئې څهٔ کړم
کهٔ بهار د نورو خلقو په چمن وی

(فضل احمد غر)

ترجمہ:

اگر تمہیں اپنی آزادی وطن کا خیال ہو
تو مت ڈر چاہے تمہارے آگے مشین گن ہی کیوں نہ ہو
اگر میرے باغ پہ خزاں ہو تو میں اسے کیا کروں
جبکہ بہار اوروں کے چمن پہ ہو

☆

دا د نوُر او مستۍ ډک سر په سجده کېږدم غلام نه

ذ قصاب ذ چړو وينه
څنګه وښيم خيام ته
نۀ دې ليدې سوداګره
تا د سرې وينې غورځنګ
په ټيټ سر باندې نۀ ښائي
دا زما شمله ذ ننګ

(غنی خان)

ترجمہ:

یہ نور اور مستی سے بھرا ہوا سر
غلام کو سجدے میں رکھ دوں
قصائی کی چھریوں کا خون
خیام کو کیسے دکھاؤں
سوداگر! تم نے سرخ لہو کے
لہروں کو نہیں دیکھا
جھکے ہوئے سر پہ زیب نہیں دیتا
میرا شملۂ ننگ

(غنی خان)

قلندر مومند کی شاعری جیسا کہ ان کی شاعری کے عمیق مطالعے سے ظاہر ہے ان کے فن اور مقصد کا حسین امتزاج ہے۔ وہ ترقی پسند ہیں سو اسی لئے اپنے تخلیقی ادب کے رخساروں میں فن کی سرخی کے ساتھ ساتھ زندگی کی سرخی بھی ملائی ہے۔ وہ طبقاتی نظام، عدم مساوات، معاشی اونچ نیچ، اور جبر و استعداد کے خلاف ہیں اسی لئے بین السطور ان کی صدا ان کے اشعار میں سنائی دے رہی ہے۔

ہر چند کہ قلندر مومند اور اس قبیل کے دیگر شعراء کی یہ آواز اور انداز جدید دور کے شعر داخلی اور خارجی پیکر کے نت نئے تجربات کی وجہ سے پسند نہیں کیا جاتا لیکن اس کے باوجود اس کی اہمیت اور ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

اپنے دیگر مقصدی شعراء کے برعکس قلندر مومند کی شاعری محض نعرہ بازی سے تعلق نہیں رکھتی اس وجہ سے ان کی شاعری کی افادیت اور آفاقیت ایک عالمگیر ہمہ گیر پیغام اور الہام رکھتی ہے۔ بیسویں صدی کے پانچویں عشرے کے دوران جب قلندر مومند کی شاعری کے عروج کے دن تھے ان کے اکثر ہمعصر

مثلاً ایوب صابر، ھمیش خلیل، ولی محمد طوفان، مہدی شاہ مہدی، اجمل خٹک، دوست محمد خان کامل، اور دیگر شعوری طور پر ترقی پسند اور نیشنلسٹ تھے۔ اس کے علاوہ یہ شعراء اور ادباء کا ایک ایسا طبقہ تھا جو کہ مغربی اور یورپی علوم سے بہرور تھا اور یہ کہ شعر و ادب میں انہوں نے موضوعات کے ساتھ ساتھ فنی جدت کو بھی رواج دیا تھا اور ان کے تتبع میں ایک گروہ جو شعوری یا غیر شعوری طور پر ترقی پسند یا نیشنلسٹ تھے بھی میدان میں کود پڑے تھے۔ اور اس طرح رومانی، مقصدی، مذہبی اور عوامی شعراء کے گروہ بھی موجود تھے۔

ضروری ہے کہ ہم قلندر کے شعر و ادب کو اس دور کے رجحانات کی روشنی میں مطالعہ کریں۔ قلندر کی شاعری غزل اور نظم دونوں پر مشتمل ہے اور وہ غزل گو کے ساتھ نظم گو شاعر بھی ہیں۔

ان کا پہلا شعری مجموعہ "سباؤن" (سحر) جو سال 1976 میں چھپا ہے میں بیسویں صدی کے پانچویں اور چھٹے عشرے کا لکھا ہوا کلام شامل ہے۔ ''سباؤن'' (سحر) پر محقق اور عالم دوست محمد خان کامل مومند نے ''دَ سباؤن زیرے'' کے عنوان کے تحت ایک جامع اور عالمانہ مقدمہ تحریر کیا ہے۔

قلندر مومند نے اس مجموعہ کو دوبارہ 1988 میں اپنے نئے رسم الخط میں چھاپا ہے۔ ''سباؤن'' کی دوسری اشاعت کے مقدمہ میں قلندر مومند نے دستور، روایت، یا ضرورت کے مطابق اس میں اضافہ یا ترمیم کی وضاحت نہیں کی۔ یہ معلومات ایک محقق کو پہلی اور دوسری اشاعت کا مقابلہ اور مطالعہ کرنے کے بعد ہو سکیں گی۔

"سباؤن" واقعی سباؤن ہے کیونکہ یہ قارئین کو اپنا ملی اور تاریخی شعور بخشتی ہے، ماضی کی روایات سے آشنا کراتی ہے، اپنے کلچر اور رسم و رواج سے آگاہ کرتی ہے، اپنی زبان، محاورے، لغت، مرکبات، علامات، اصطلاحات اور ترکیبات سمجھاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ''سباؤن'' میں پشتو کا قدیم رنگ بھی موجود ہے اور جدید بھی، اس میں مقصدیت بھی ہے اور رومانیت بھی جیسا کہ ظاہر ہے قلندر کی غزلوں میں یہ دونوں قسم کے رجحانات پائے جاتے ہیں۔ انہوں نے نظریاتی غزلیں بھی لکھی ہیں اور رومانی بھی اور ایسے اشعار بھی کہے ہیں جو ان دونوں کا حسین امتزاج ہیں۔ اسی طرح قلندر نے اپنے علم اور تجربے کی بنیاد پر اپنے شعر کے خارجی پیکر کی طرح داخلی پیکر میں بھی نت نئے تجربات کئے ہیں جو شعر کے وزن، آہنگ اور بحر کے ساتھ بھی تعلق رکھتے ہیں اور علمِ عروض، علمِ بلاغت کے ساتھ بھی غرض یہ کہ ان کے اشعار صوری اور معنوی خوبیوں سے بھرپور ہیں۔ یہاں مختلف النوع اور مختلف الموضوع اشعار پیش کئے جاتے ہیں۔

چې مې ووئیل خوائی دې رنګینه د بوډۍ تال دے
ذ خندا نه تکه شنه شوه د حیا نه تکه سره شوه

(37)

ترجمہ:

جب میں نے کہا تیری جوانی رنگین دھنک ہے
تو غصے کے مارے نیلی اور حیا کے مارے لال پیلی ہوگئی

زۀ ئې په قامت او په زلفانو یادوم
عن په سر ذ دار جې ئې یارانو یادوم

(38)

ترجمہ:

میں ان کو قامت اور زلفوں کے حوالے سے یاد کرتا ہوں
یارو! سرِ دار بھی ان ہی کو یاد کرتا ہوں

تۀ ازغی کړه زما او د ګل منځ کښې
زۀ په لاره قدم نۀ پړدمه سینه پړدم

(39)

ترجمہ:

تم میرے اور میرے محبوب کے درمیان کانٹے بو دو
میں راستے پر قدم کی بجائے سینہ رکھ کر چلتا ہوں

ذ قلندر هره یوه سندره
نن ذ باګرام ذ تذکرو ډکه ده

(40)

ترجمہ:

قلندر کا ہر ایک گیت
آج باگرام کے تذکروں سے بھرا پڑا ہے۔

جیسا کہ ظاہر ہے ہمارے اکثر وہ لکھاری جن کا پشتو ادب کے سیاسی فکری مدرسے سے تعلق رہا ہے قیام پاکستان سے قبل اور بعد میں کچھ مدت تک حکومت کے ساتھ اپنے نظریاتی (سیاسی) اختلافات، اپنی زبان اور قومی حقوق کے حصول کے لئے آواز بلند کرنے کے جرم میں پس زنداں ہوئے۔ اسی طرح انہوں نے دوران اسیری بھی اپنے جذبات کو منظوم شکل دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پشتو ادب کا ایک بڑا نثری اور شعری حصہ "حبسیات" سے تعلق رکھتا ہے جو جیلوں کے اندر تخلیق ہوا ہے اور جسے پشتو زبان کا شاہکار مانا جاتا ہے۔ یہ سلسلہ خوشحال بابا کے دستار نامہ سے لیکر اس جدید دور تک آپہنچا ہے۔ قلندر مومند اس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جو خود بھی قوم پرستی کے جرم میں کئی مرتبہ پس دیوار زنداں ہوئے۔

چې په خوشحال په رنتبور کښې وشوې
هغه کانې په ما لاهور کښې وشوې

(41)

خلق ذ دوو ورځو فراق کښې سوزی
زما خو میاشتې په دا اور کښې وشوې

(42)

ترجمہ:

جو خوشحال (خوشحال خان خٹک) پہ رنتھمبور میں گزری
وہی الائشیں مجھ پہ لاہور میں گزریں۔
لوگ دو دن کے فراق میں جلتے ہیں
میرے تو اس آگ میں مہینے ہوگئے۔

قلندره چې دې زلفې خوښېدلې
زولنې دې په قسمت وے شرنګېدلې
کج رفتار فلک له ورغلې په ګوتو
قلندره! هسې کله سمېدلې

(43)

ترجمہ:

قلندر تجھے زلفیں پسند تھیں
تمہاری قسمت میں زنجیروں کی جھنکار لکھی تھی
کج رفتار فلک کے ہاتھ لگے ہو
قلندر! تم کب باز آنے والے تھے۔

یا طوطی یا عندلیب یم نۀ پوهېږم
قلندره چې قفس کښې غزل خوان یم

(44)

ترجمہ:

یا طوطی ہوں یا عندلیب، نہیں جانتا
قلندر! جو قفس میں غزل خواں ہوں

قلندر مومند نے اپنے زیرِ بحث کلام کے حصہ میں زیادہ تر حسیاتی مصطلحات اور علامات استعمال کئے ہیں۔ جیسا کہ زندان، قفس، دار، ماتم، صیاد اور اندھیرا، کانٹا، شعلہ، خون، آنسو، عذاب، انقلاب، رات، غم، الزام، فراق، طوفان اور دیگر۔

نظریاتی اور انقلابی آہنگ کے ساتھ ساتھ رومانوی رنگ نے بھی ان کی غزل میں بے انتہا لطف پیدا کیا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے ہم عصر رومانوی شعراء مثلاً اشرف مفتون، یونس خلیل، عبدالرحیم مجذوب اور دیگر کے سنگ بہ سنگ کھڑا ہے۔

دا څۀ ني دی لیدلی زما زړۀ کښې قلندره!
حملې ېږي کړی بې واره دلربا چې خی راځي

(45)

ترجمہ:

یہ میرے دل میں کیا دیکھا ہے قلندر!
کہ دلربا آتے جاتے بار بار حملہ آور ہوتی ہے

سترګې دې راواړوه چې ووځمه له خوده
ستا ذ مینانو په صهبا نۀ شی وتنه

(46)

ترجمہ:

آنکھیں ادھر کرو تا کہ بے خود ہوجاؤں
تیرے چاہنے والوں کو صہبا سے کیا غرض

☆

ذ باګرام پېغلې ته وایه چې رادرومی
چې مې وقف ورته ذهن، سترګې، زړۀ کړۀ

(47)

ترجمہ:

باگرام (پشاور) کی دوشیزہ سے کہہ دو کہ چلی آئے
میں نے اپنی آنکھیں، دل اور دماغ اس کے لئے وقف کر دیئے۔

جیسا کہ معلوم ہے قلندر کی ابتدائی دور کی شاعری میں جذباتیت اور طنز بہ نسبت موجودہ دور کی شاعری کے کچھ زیادہ تھا۔ مثلاً

د جماتونو شپې ملا ته بخښم
د مېخانو ورځې زما ورځې دي
زما په لاس کښې چې شراب ووينې
د ملا لاړې په کتاب څاڅې

(48)

ترجمہ:

مسجدوں کی راتیں ملا کو بخشتا ہوں
میخانوں کے دن میرے ہیں
میرے ہاتھ میں جب پیالے کو دیکھتا ہے
تو ملا کی رال کتاب پر ٹپکتی ہے۔

جیسا کہ بتایا گیا ہے قلندر کا "اولسی ادبی جرگہ" کے ساتھ قریبی تعلق رہا ہے۔ اپنے اکثر افسانے، غزلیں، مقالے اور نظمیں جرگہ کے تنقیدی اجلاس میں تنقید کے لئے پیش کی تھیں۔ چند اشعار یہ ہیں۔

په ما چمن کښې هر نفس تېرېږی
طوطی په تا چې په قفس تېرېږی
صبا زما د راتلو لارې ګوری
اوس هم چې ستاسو په جوس تېرېږی

(49)

ترجمہ:

مجھ پہ جو ہر نفس چمن میں گزرتی ہے
طوطی! جو تم پہ قفس میں گزرتی ہے
صبا میری راہیں دیکھتی ہے
اب بھی جو تمھارے کوچے سے گزرتی ہے

یہ غزل بھی انہوں نے 25 جنوری 1957 کو جرگہ کے ایک تنقیدی اجلاس میں تنقید کے لئے پیش کی تھی جن کے چند اشعار یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

چې ناساپه مرور رانه حبيب شو
معلومېږی چې هيله زما نصيب شو
بيا مې زړه ته غزنې را په ياد شوې
بيا تيار مې ارمانونو له صليب شو

خوشحالیږه چې پرهر مې لا علاج شو
معترف دې ذ بنو زما طبیب شو
د جهان ولونه به پرانزی بیشکه
چې بو ځل دې څوک و زلفو ته قریب شو
ستا له رویه مې ګلرویه سرخرونی ده
ستا له مخه مې زړګوتیے عندلیب شو

(50)

ترجمہ:

جو میرا محبوب اچانک روٹھ گیا
یوں دکھائی دے رہا ہے کہ اب وہ میرا نصیب ہوگیا
دل کو پھر انگڑائی یاد آئی
پھر میرے ارمانوں کے لئے صلیب سج گئی
خوش ہو کہ میرا زخم لا علاج ہوگیا ہے
میرا طبیب بھی تمہاری پلکوں کا معترف ہوگیا
وہ بیشک دنیا جہان کے عقدے حل کرا سکے گا
جو ایک بار تمہاری زلفوں کے قریب ہوجائے
میری سرخ روئی تمہاری گلروئی سے ہے
میرا دل تمہاری رؤ سے عندلیب ہوا۔

یہ غزل بھی اولسی ادبی جرگہ کے ایک مشاعرے میں سنائی تھی جو بعدازاں ایک روزنامہ میں چھپی۔

نۀ څۀ خبره نۀ اثره شوله
بې بنې بې بدې مرووره شوله
د تورو زلفو د سبین مخ په وجه
شپه او ورځ ما ته برابره شوله
زړۀ ئې رانه یوړو اوس ئې نۀ راکوی
څنګه پرې روښنده منکره شوله

(51)

ترجمہ:

نہ کوئی بات نہ گفتگو ہوئی
یونہی مجھ سے روٹھ گئی
زلفِ سیاہ، رخِ تاباں کی وجہ سے
میرے دن رات برابر تاریک ہوگئے
دل چرا کے لے گئی اور کتنی ڈھٹائی سے منکر ہوگئی

مختصر یہ کہ قلندر مومند کی غزلوں میں دو قسم کے رجحانات محسوس ہوتے ہیں، ایک نظریاتی جذباتیت اور دوم روحانی۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے بڑی حد تک اپنی شاعری میں فنی اور شعری ضروریات کا بھی خیال رکھا ہے۔ قلندر مومند پشتو زبان کے بڑے دانشور اور بابائے تحقیق دوست محمد خان کامل مومند کے بے انتہا معترف و معتقد ہیں اسی لئے جگہ جگہ ان کی رہنمائی اور فکر و فن سے استفادہ کرنے کا اعتراف کرتے ہیں۔ مثلاً:

د کامل همنشینی برکتی کرم
تجربې مې په غزل کښې روايات شي

(52)

ترجمہ:

کامل کی ہمنشینی کی برکت سے
میری غزل میں تجربے روایت بن گئے

اس طرح دوست محمد خان کامل بھی قلندر مومند کے علم و فضل، شعری شعور، استعداد، صلاحیت اور بصیرت کے قائل ہیں اور ان کے شعری عظمت پر ایک غزل لکھی ہے جو ان کو بطور نذرانہ پیش کی ہے۔ اس غزل کا مقطع ہے:

دا ناقص غزل کامله حقیر نذر قلندر ته
چې خاتم کښې د غزل ئې هر يو شعر نګينه ده

(53)

ترجمہ:

کامل! تیری یہ ناقص غزل قلندر کو ایک حقیر نذرانہ ہے
جس کی خاتم غزل میں ہر ایک شعر ایک نگینہ ہے۔

قلندر کے ایک شعر کا مطلع ہے

خو چې ليږ غونډې غمژن شو ارماني شو
هغه زړه مې چې غمې ز لا ثاني شو

(54)

ترجمہ:

تھوڑا سا غمزدہ ہوکر میرا دل ارمان بن کر رہ گیا
وہ دل جو کبھی ہیرا تھا لاثانی ہوا

دوست محمد خان کامل نے یہ غزل قلندر مومند کی اوپر ذکر شدہ غزل کی زمین پر لکھی ہے۔ جس کے مقطع میں:

منت بار د قلندر دے پہ غزل کښې
د کامل غزل کۀ هر څو لا ثانی شو
(55)

ترجمہ:

غزل میں قلندر کا مرہون منت ہے
کامل کی غزل ہر چند لا ثانی بن گئی ہے۔

کامل فرماتے ہیں

د مهدی او قلندر وینا منمه
چې انکار مې له خپل شعره بې جواز دے
(56)

ترجمہ:

مهدی اور قلندر کی بات مانتا ہوں
کیونکہ اپنے شعر سے انکار بے جواز ہے

قلندر کا کامل سے محبت اور عقیدت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب اس نامور کی وفات کے فوراً بعد ایڈورڈ کالج پشاور میں ان کی یاد میں ایک تقریب کا اہتمام کیا گیا اور جس میں قلندر کو دعوت دی گئی تھی۔ انہوں نے اس تعزیتی تقریب میں شرکت سے معذوری اور مجبوری ظاہر کر کے ایک مقالہ اس تقریب میں سنانے کے لئے ان الفاظ کیساتھ ارسال کیا۔

"کامل کے غم میں میرے آنسو ابھی خشک نہیں ہوئے اس وجہ سے میں اس تقریب میں شریک ہوکر اپنے خیالات کا اظہار نہیں کر سکتا"۔ (57)

کچھ عرصہ پہلے قلندر اور حمزہ کے درمیان ایک ادبی تنازعہ شروع ہوا تھا اس کی بنیاد قلندر کی غزل کا یہ مقطع تھا۔

یاره قلندر ته دعا ګانې کړه
اوس ګنی پښتو کښې غزل چرته دے

(58)

ترجمہ:

اے یار قلندر کو دعائیں دیتے رہو
ورنہ آج پشتو میں غزل کہاں

حمزہ نے اس طرز پر اپنی ایک غزل "در جواب آں غزل" کے طور پر لکھی جس کا مقطع تھا:

لا خو تخیل د حمزه تت نه دے
څوک وائی چې پښتو کښې غزل جرته دے

ترجمہ:

ابھی تو حمزہ کا تخیل ماند نہیں پڑا
کون کہتا ہے کہ پشتو میں غزل نہیں ہے

اس وقت اس تنازعے کا یہ موضوع حمزہ اور قلندر کے فکری مکاتب کے پیروکاروں کے درمیان پشتو ادبی مجالس کا اہم اور دلچسپ موضوع تھا۔ کچھ مدت کے بعد دونوں گروپ شیر وشکر ہو گئے۔ اگر قلندر کے دل میں حمزہ کے لئے کچھ ہوتا تو ان کے شعری مجموعے "غزونې" پر اتنا جامع اور عالمانہ دیباچہ نہ لکھتے اور حمزہ کے دل میں قلندر کے لئے کچھ ہوتا تو ان کی شادی کی تاریخ نہ لکھتے۔ (59)

ایک ادبی جرگہ کی جانب سے جس کے سرپرست مجید اللہ خلیل تھے۔ راقم الحروف کا مقالہ "جدید پشتو غزل" کرنل ریٹائرڈ عنایت اللہ کی رہائش گاہ پر مقررہ پروگرام کے مطابق بحث کے لئے پیش کی گئی۔ قلندر مومند بھی اس پروگرام میں موجود تھے۔ بحث کے آخری مرحلے میں محترم قلندر مومند نے کہا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ یہاں میری تعریف کی جائے گی تو میں کبھی بھی اس پروگرام میں شرکت نہ کرتا حالانکہ مقالہ بیجا تعریف وتوصیف پر نہیں بلکہ حقائق پر مبنی تھا۔ (60)

جیسا کہ معلوم ہے قلندر مومند اپنی جداگانہ مکتب فکر کے بانی ہیں جس میں ملی، مقصدی، نظریاتی اور اصلاحی رنگ نمایاں ہے۔ یہ مکتب فکر شعر میں حقائق زندگی اور مقاصد و بیان اپنے دور کے اپنے اردگرد کے اظہار کے سلسلے میں بڑی اہمیت رکھتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس مکتب فکر کے زیر اثر زیادہ تر شعراء نے قلندر مومند کی پیروی کی ہے جو آج کل پشتو کے نامور شعراء اور ادیب سمجھے جاتے ہیں جیسا کہ فرید صحرائی، سید محمود ظفر، مجید اللہ خلیل، مشتاق مجروح، محمد زبیر حسرت، ھمایون ھمدرد اور دیگر۔ اسی کے نتیجے میں زیادہ نثری اور شعری شہپارے تخلیق ہوئے اور ہو رہے ہیں اور اس مقصدی اور متحرک ادب کا دامن دن بدن وسیع ہوتا جا رہا ہے۔

کسی بھی حال میں پشتو کی جدید غزل میں قلندر کے احسان سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ جیسے کہ کہا گیا ہے کہ قلندر مومند نے غزل کے ساتھ ساتھ نظمیں بھی لکھی ہیں اور یہ نظمیں بھی ان کی غزلوں کی طرح نظریاتی بھی ہیں اور رومانی بھی، پابند بھی اور آزاد بھی اور یہی وجہ ہے کہ قلندر کا نام پشتو کے آزاد نظموں

کے بانیوں میں آتا ہے۔ قلندر کی بعض نظمیں زیادہ مشہور ہیں۔

ان کی مشہور نظم "رومال" رومانیت کا شاہکار اور داخلیت کا بہترین اور خوبصورت اظہار ہے۔

اس طرح "ستا ذ تصویر په لیدو" (آپ کی تصویر کے دیکھنے پر) بھی داخلی احساسات کا حسین مرقع ہے۔ "ذ دنیا مشال" (چراغ دنیا) ایک عظیم انسان کی موت پر ایک آزاد نظم ہے جو اس ٹپہ کے آہنگ اور تاثر میں لکھا گیا ہے۔

دنیا کی مشعل

(ایک عظیم انسان کی موت پر)

جب اندھیرے اجالوں پر حملہ آور ہوئے
جب وہ سرخ روشنی مغلوب ہو گئی
جب وہ شمع بجھ گئی
اور اس کی موت سے پتنگیں بے آسرا ہو گئے
جب ظلمتوں نے سرگوشیاں شروع کیں
کہ آج کے بعد دنیا پر ان کا راج ہوگا
کہ اب روشنیوں کے محافظ نہیں رہے
کہ روشنیوں کا گلستاں تاراج ہوا
تو میں سر بہ گریباں ہوا
میرے دل کا دیا بجھا بجھا سا تھا
میں نے سمجھا کہ میرا دل اندھیروں نے گھیر رکھا ہے
یا ساری دنیا کی مشعلیں بجھ گئی ہیں
میں فضاؤں میں دیکھ رہا تھا
میں خلاؤں میں نظریں پھیر رہا تھا
دفعتاً اوپر آسمان میں
کوئی چیز دکھائی دی
ایک سرخ ستارہ چمک رہا تھا
جس کی کرنیں آسمان کے کونے کونے میں پھیلی ہوئی تھی

میں زمین کے ضیالے چہرے پران کا انعکاس دیکھ رہا تھا
ان سرخ کرنوں نے چراغاں کر دیا
اور ظلمتوں نے سرگوشیاں شروع کیں
کہ یہ دیا تو ان کو گل دکھائی دے رہا تھا
انہوں نے سمجھا تھا کہ یہ شمع پھر کبھی روشن نہیں ہوگی
لیکن یہ کیا ہوا
وہی شمع دوبارہ روشن ہوئی
وہ دیکھو پتنگیں پھر سے جمع ہو رہے ہیں
اور میں سر بہ گریباں ہوا
میرے دل کا دیا اب روشن تھا
میں نے سمجھا کہ یہ میرے دل کا دیا ہے
یا ساری دنیا کی مشعلیں روشن ہیں

(مترجم: فیض الوہاب فیض)

یہ قلندر مومند کا پشتو نظم میں نیا اور خوبصورت تجربہ ہے۔ بعد میں اس نظم کی تکنیک پر بہت سے شعراء کرام نے طبع آزمائی کی اور اسطرح اب یہ جدید منظوم ادب میں ایک مستقل صنف مانا گیا ہے۔(61)
''زۀ تنقید خو به کوؤمه''(62) (میں تنقید کروں گا ہی) بھی قلندر کی مشہور نظریاتی نظم ہے جو ان کے نظریئے، فلسفے اور عقیدے کی خوبصورت عکاسی کرتی ہے'قامه اولسه زما خپله وطنه'' بھی قلندر کی ایک شاہکار نظم ہے۔

میں تنقید تو کروں گا

جب مجھے سرخ پھولوں کی مملکت میں کانٹوں کی تاجداری دکھائی دیتی ہے
گلاب کی ہر شاخ پہ جب پھول مصلوب ہوں
بہار کے موسم میں جب بلبل نغموں کو ترس رہے ہوں
جب گلشن لٹی ہوئی ہوں گلزار تاخت وتاراج ہوا ہو
اور اس حال میں مالی خوش وخرم ہو
گر میں کچھ بھی نہ کروں تہدید تو کروں گا

میں تنقید تو کروں گا

جب مقدس کرنوں کی عصمتوں کو خطرہ لاحق ہو

جب چمن میں سرخ کلیوں کی نکہتوں کو خطرہ ہو

پستیوں کے ہاتھوں رفعتوں کو خطرہ ہو

ایک شخص سے ساری عالم کی راحتوں کو خطرہ ہو

شیطان کے وسوسوں سے جنتوں کو خطرہ ہو

میں ایسی حال میں مظلوموں کی تائید تو کروں گا

میں تنقید تو کروں گا

جب میری پیاری پشتونخوا پر مغل حملہ آور ہوں

ننگرہار سے بولان تک پشتونوں پر آگ برس رہی ہو

مزن کے میدانوں میں مغل محورقص ہوں

کوہ سفید کی سفید چوٹیوں سے ظلمتیں نمودار ہوں

خیبر کی تنگناؤں میں شاہین مضطرب ہوں

تو قوم کی ناموس پر تقلید بایزید تو کروں گا

میں تنقید تو کروں گا

روہستیان پر جب اٹک کی طرف سے دھند چھا جائے

پشتونخوا کے آسمان پر رعد و برق چمکے

جب یہ جنت نظیر پشتونخوا جہنم میں تبدیل ہو جائے

جب مومند اور خٹک اکٹھے ہو کر آفریدیوں کے ہمنوا ہو جائیں

جب سارا وطن ایمل ایمل اور ساری پشتونخوا دریا دریا ہو جائے

ساتھیو! میں خوشحال خان خٹک کی تقلید تو کروں گا

میں تنقید تو کروں گا

جب بالائی پشتونخوا میں میرویس خان ایک نعرہ لگائے

اور گرگانیوں کا لبادہ پارہ پارہ کرے

غازی سر ہتھیلی میں رکھ دیں اور طبل جنگ بجے

ایمل اور خوشحال کی ارواح جنت سے یہ نظارا دیکھیں

سرباز پشتونوں کو ہدایات دیں اور اشارے کریں

تو میں پچھلی قربانیوں کی تجدید تو کروں گا
میں تنقید تو کروں گا
پشتون کے گھر اور گاؤں میں آگ لگی ہوئی ہو
جب انگریز اور نگ میں اور فیرنگ مغل میں تبدیل ہو جائیں
پشتونخوا کے قلب میں ظلم کی برچھیاں پیوست ہو جائیں
جب ہمیں اپنے ہی گھر میں قتل کر کے قاتل بے حیا ہو جائے
باچا خان جب بیرغ اٹھائے اور قوم ان کا ساتھ دے
تو قوم کی ناموس رکھنے کے لیے میں تاکید تو کروں گا
میں تنقید تو کروں گا
جب دفعتاً میرے پاک وطن کی فضائیں شعلہ بہ دامان ہو جائیں
ہشت نگر کی ہچکیاں بندھ جائیں
اور شولگرہ بحو گریاں ہو جائے
جب مائیں اپنے نوجوان بیٹوں کے لیے نوحہ کناں ہو جائیں
جب بھائی اپنے بہنوں کی فریاد جنت میں سن رہے ہوں
جب بابڑہ کی زمین سرخ ہو جائے اور آسمان سے آگ برس رہی ہو
تو میں حرمت، شمس اور یزید کی تو کروں گا
میں تنقید تو کروں گا
جب تاریکیوں کی حکمرانی ہو اور سحر پابہ جولاں ہو
جب دولت کی بنیاد پر انسانوں میں تفریق ہو
جب ایک زمین کا مالک ہو اور دوسرے کی قسمت میں صرف مشقت ہو
جب چند اشخاص تر و تازہ اور باقی خوار و زبوں ہو
جب ظالم کا نظام اور ظالم کا قانون ہو
کوئی مرے یا زندہ رہے میں تنقید تو کروں گا
میں تنقید تو کروں گا

(مترجم: فیض الوہاب فیض)

پشتو کے مختلف جدید منظوم اور منثور اصناف میں صرف شاعری ایک ایسی صنف ہے جو معیار اور مقدار کے لحاظ سے مکمل ہے لیکن جب ہم جدید اصناف مثلاً ناول، ناول اور افسانہ کو دیکھتے ہیں تو افسوس سے کہنا

پڑتا ہے کہ پشتو کا دامن بڑی حد تک خالی ہے کیونکہ محض شاعری ادب کے دامن کو بھر نہیں سکتی جب تک کہ ادب کے مختلف جدید اصناف میں موجودہ سائنسی، تھذیب اور کلچر کی ترقی کی روشنی میں نت نئے تجربات نہ کئے جائیں لیکن پھر بھی رب کا فضل ہے کہ پشتو میں بعض علماء اور دانشوروں کی کوششیں نوجوان لکھاریوں کے لئے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں اور وہ دن دور نہیں کہ اپنے بزرگوں کے تتبع اور مطابقت میں پشتو ادب کا دامن ھر قسم کے سماجی، سائنسی، معاشی، نفسیاتی اور فلسفیانہ فن پاروں سے بھر دیں۔

جدید ادبی دور میں افسانے کا مقام بہت بلند ہے اس کا سبب اس کا اختصار اور زندگی کے ہر سمت اور ہر موضوع کا اظہار ہوتا ہے۔ واقعہ، ورداراور زبان افسانے کے بنیادی عوامل میں اگر واقعہ جو افسانے کی عمارت کی حیثیت رکھتا ہے منظم نہ ہو، کردار جو واقعہ کو آگے لے جاتی ہے جاندار نہ ہواور زبان جو افسانہ نگار کے مافی الضمیر کے اظہار کا ذریعہ ہوتا ہے آسان، رواں اور نرم وشیریں نہ ہو تو افسانے کا مجموعی تاثر قارئین پر اثر انداز نہیں ہو سکتا اور نہ ان کے ذہن میں افسانہ نگار کا مقصد بیٹھ سکتا ہے۔

پشتو میں ایک عام اور مقبول روایت کی رو سے ''سید راحت زاخیلی کا "کنډه جيني "(بیوہ لڑکی) نامی افسانہ جو سال 1917 میں لکھا گیا اور ''افغان'' اخبار میں چھپا پشتو افسانے کا بانی سمجھا جاتا ہے لیکن اب محققین اس پر متفق ہو گئے ہیں کہ راحت زاخیلی کا "کنډه جيني "(بیوہ لڑکی) نہیں بلکہ "شلېدلې پڼه"(پھٹا ہوا جوتا) پشتو کا پہلا افسانہ ہے جو سال 1908 میں ''افغان'' اور پھر ''سرحد'' اخبار میں چھپا اور قلندر مومند کے بقول راحت زاخیلی نہیں بلکہ ''لزم فرنگی'' پشتو کے پہلے افسانہ نگار ہیں۔

لزم فرنگی نے 1902 میں پشتو کے وزیری لہجے کا فرہنگ کلکتہ میں چھپوایا۔ اس کتاب کے آخر میں دو قصے بھی رقم کئے گئے ہیں جس کو قلندر مومند پشتو کے ابتدائی افسانے کہتا ہے لیکن پشتو افسانے کے بعض محققین جس میں ڈاکٹر محمد اعظم اعظم اور زرین انزور شامل ہیں یہ بات نہیں مانتے۔ اس حوالے سے ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ قصے ہیں افسانے نہیں کیونکہ ان میں افسانوں والی خصوصیات نہیں۔ میں پشتو افسانے کی ابتداء کے حوالے سے اس متنازعہ بحث کی روشنی میں ڈاکٹر اعظم کی یہ بات زیادہ صحیح اور منطق سمجھتا ہوں کہ پشتو افسانے کی ابتدا جس نے بھی کی ہو لیکن انتہا قلندر مومند کی "ګجرې" ہے۔(63)

افسوس کہ پشتو کا افسانوی ادب اور خاص طور افسانہ اتنا پیچھے رہ گیا ہے جو عالمی ادب کا تو کجا اردو ادب کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتا اس بارے میں ہمایون ہما لکھتے ہیں۔

> ''اظہاریت، تجریت اور علامتیت جو اردو کے مختصر افسانوں میں ہوتے ہیں
> پشتو میں اس انداز سے نہیں ہوئے۔ پشتو میں افسانہ تو ضرور آیا لیکن افسانہ نگار
> پیدا نہ کر سکا کیونکہ پشتو میں ڈاکٹر حسن خان سوز، زیتون بانو اور طاہر آفریدی کی

مثالوں کے علاوہ کسی بھی افسانہ نگار نے یہ صنف شعوری طور پر قبول کرنے کی
بجائے اس کے ساتھ ایک وقتی جذبے یا مخصوص حالات کے تحت یاری نبھائی
اور جب جذبہ ٹھنڈا ہوا مخصوص حالات کا خاتمہ ہوا تو یاری ختم ہوئی۔ ''

قلندر مومند کے افسانوں پر مشتمل مجموعہ ''کجرے'' (گجرے) سال 1957 کو منظر عام پر آیا اس کے بعد ان کا ایک بھی افسانہ ہماری نظر سے نہیں گزرا تو اس لئے ''ھمایون ھما'' قلندر مومند پر بحیثیت افسانہ نگار اس طرح روشنی ڈالتا ہے۔

''سال 1947 کے بعد جب پڑھے لکھے لکھاریوں کا گروپ میدان میں نکل آیا تو قلندر مومند جس نے ابتدا میں افسانوں پر توجہ دی تو فن کے معیار پر پورے اترنے والے افسانے لکھے لیکن انہوں نے تمام افسانے ''اولسی ادبی جرگہ کے تنقیدی اجلاسوں کے لئے لکھے اور جب جرگہ ختم ہوا تو قلندر مومند کا شوق افسانہ نگاری بھی ختم ہوا۔ قلندر مومند نے افسانہ کو روایتی اندھیروں سے نکال باہر کیا اور اس کے مضامین اور موضوعات کو روزمرہ زندگی کے مختلف واقعات، اردگرد کی صحیح عکاسی، اپنے پختون کلچر کی ترجمانی اور اپنے قومی اور مقامی مسائل کے حل کا ذریعہ بنایا اس کو فن اور تکنیک سے بہرور کر کے فن کے معراج تک پہنچایا اس لحاظ سے قلندر کا افسانہ صحیح معنوں میں جدت اور جدیدیت کا شاہکار ہے۔ عام طور وہ بات، بیان یا قصہ کسی کو شیریں اور اچھی لگتی ہے جو ان کی زندگی اور گردوپیش کی عکاسی کرتا ہو اور اس کو اپنا چہرہ آئینے میں دکھاتا ہو "کجرے" (گجرے) میں پشتو داستان ایک نئے افسانوی پیکر اور فنی لیکن بمع پیکری جدیدیت اور لہجے کی تازگی کے ان افسانوں کی فضا بھی آشنا فضا ہے جسے ہم قریب سے جانتے ہیں۔ وہ اس لئے کہ ان افسانوں کے واقعات اور کردار دونوں ہی اردگرد، گھر اور گلی کے عمومی اور رواں زندگی کے وہ نقوش ہیں جس کی عمومیت میں دوامیت پڑی ہے۔ ''(64)

قلندر مومند کے ہر افسانے میں واقعے اور ماحول کے مطابق کرداروں کے حوالے سے کچھ ایسے جملوں کا استعمال ہوا ہے جو مقولوں، ضرب الامثال، اور ان کے مختلف کرداروں کے نفسیات کے علم اور ماحول کے عمیق مشاہدے اور اپنے فن پر مکمل عبور کی عکاسی ہے۔ ''کجرے'' کے نہ صرف کردار بلکہ موضوعات بھی پشتونوں کے روزمرہ زندگی میں پسند کئے گئے ہیں۔ ہر کردار اپنے طبقے اور تپے کی نمائندگی کرتا ہے۔ یہ ایسے کردار اور واقعات ہیں جن سے ہر روز ہمارا سامنا رہتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک

کامیاب افسانہ نگار کے افسانے میں فن اور مقصد ہمیشہ یکجا رہتے ہیں۔

قلندر افسانے کے فن کے بلند اور تجربہ کار استاد ہیں۔انہوں نے اپنے بلند مقصد اور انسان دوستی کے ساتھ فن کے حدودات اور لوازمات سے پہلو تہی نہیں کی۔ان کے افسانوں میں فن اور مقصدیت لازم وملزوم ہیں۔(65)

دوست محمد خان کامل قلندر مومند کے افسانوں کو ماحولی افسانے کہتے ہیں لیکن درحقیقت قلندر مومند کے افسانوں کے پلاٹ اتنے مربوط ہیں کہ واقعہ، کردار اور ماحول ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ قلندر اور ان کے ہمعصر مہدی کے افسانوں کا زمانہ اور موضوع قریباً قریباً ایک ہے لیکن اس کے باوجود دونوں کے افسانے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ایک میں جذبات کی شدت اور دوسرے میں فن کی پختگی، ایک میں مقامیت اور دوسرے میں آفاقیت زیادہ ہے۔

قلندر مومند کے سامنے زندگی کی ہر حقیقت افسانے کا درجہ رکھتی ہے اور ان کے ہر افسانے پر حقیقت کا گمان ہوتا ہے۔(66) اگر بہ نظر غور دیکھا جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ قلندر کی زبان میں سادگی، اختصار اور طنز ہے جو ان کے افسانوی وحدت کا تاثر قائم رکھتا ہے۔

پشتو اکیڈیمی نے وفاقی حکومت کے وزارت تعلیم کے قومی نصابی کتب شاخ کے تعاون سے تعلیم بالغاں کے ضمن میں ایک منصوبے کا اجراء کیا تھا۔ اکیڈیمی نے ذکر شدہ منصوبے کے تحت 80 موضوعات پر سال 1980،1981 اور 1982 میں کتابچے (رسالے) شائع کئے جو پشتو کے مختلف لکھاریوں کے اخلاقی، قومی، ادبی اور ملکی موضوعات پر تحریر کئے ہیں۔قلندر مومند کو بھی ان میں چار موضوعات دیئے گئے تھے۔

1۔قصے

ان میں 45 روایتی، فوکلوری اور دیگر کہانیاں ہیں جو اکثر زبانوں میں موجود ہیں۔

2۔سندھی زبان و ادب

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس میں سندھی زبان، سرزمین اور ادب پر کماحقہ اور تاریخی معلومات دی گئی ہیں۔

3۔زمین کی کہانی

یہاں زمین اور انسان کی پیدائش کی ابتدائی تاریخ بیان ہوئی ہے جیسا کہ مندرجات سے ظاہر ہے۔قلندر کے یہ کتابچے نہ صرف ان کی انفرادیت کے حامل ہیں بلکہ مقصد اور معیار کے عین مطابق ہیں۔ ہر چند کہ ان کا تعلق مختلف موضوعات سے ہے لیکن ان میں ادبی رنگ ولطف نمایاں ہے۔اگر دیکھا جائے تو ان مختصر کتابچوں

میں بھی معلومات کا کافی ذخیرہ ہے۔

قلندر مومند نے پشتو ادب کے تخلیقی، تنقیدی اور تحقیقی تینوں شعبوں میں سیر حاصل کام کیا ہے۔ان کی تخلیقی کاوشوں کے بعد یہاں ان کی تنقیدی اور تحقیقی کام پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

مرحوم دوست محمد خان کامل مومند کے بعد قلندر مومند وہ واحد قلمکار ہیں جنہوں نے پشتو کے انتقادی ادب کے سرمایہ میں کافی اضافہ کیا ہے۔ وہ تنقید کے ماہر اور اعلیٰ پائے کے نقاد ہیں۔" نظمیات" بھی قلندر مومند کی مشہور تصنیف ہے۔ یہ یونان کے مشہور فلسفی' ارسطو کی تصنیف' بوطیقا" جو فن شاعری کے متعلق ہے کی تلخیص اور تبصرہ ہے۔

دنیا میں ارسطو کو بابائے تنقید مانا جاتا ہے کہ جنہوں نے اپنے استاد افلاطون کے تنقیدی نظریات کو یکسر مسترد کیا اور اپنے انفرادی ادبی نظریات اور خیالات دنیا کو پیش کئے اور جسے آج بھی دنیا کی ہر درسگاہ میں ایک بنیادی اور کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ درحقیقت" بوطیقا'' ادبی تنقید میں پہلی کتاب ہے جس نے کل دنیا کے ادب اور تنقید پر بے حد اثر ڈالا ہے۔اس کتاب کے دنیا میں مختلف زبانوں میں ترجمے ہوئے ہیں۔ (67)

اسی طرح قلندر کی'' نظمیات'' اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔اس میں' بوطیقا'' کے مشکل اور مبہم جملوں اور الفاظ کی تشریح ہوئی ہے اور اس طرح کتاب کے متن میں استعمال شدہ مصطلحات کی وضاحت ہوئی ہے۔اس وجہ سے یہ ترجمہ مولوی اسرائیل کی'' کتاب الشعر'' کی نسبت زیادہ سلیس اور آسان ہے۔

اسی طرح'' تنقید'' بھی جو سال 1962 میں چھپی ہے اس میں قلندر مومند نے مشہور انگریز ادیب (ولیم ہنری ہڈسن کی معروف تصنیف'' این انٹروڈکشن ٹو دی سٹڈی آف لٹریچر'' کا تنقید کے حوالے سے ایک باب تلخیص و تبصرہ پر مشتمل ہے۔ (68)

'' تنقید'' میں تنقید کے معنی اور مقصد، نقاد کے فرائض، تنقید کے اقسام، معیار، تاریخ اور کلاسیک معیار وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ جتنا ہم تنقید کا مطالعہ کرتے ہیں اور اس کو سمجھنے کی سعی کرتے ہیں اتنا ہی ہماری تخلیقی صلاحیت اور بصیرت نشونما پاتے ہیں۔اس وجہ سے تنقید کا مطالعہ کسی شاعر، ادیب کے لئے از حد ضروری ہے۔قلندر کی'' تنقید' اعلیٰ کلاسوں کے طلباء کے لئے ایک کلاسیکی درسی کتاب کی حیثیت رکھتی ہے۔ (69)

حقیقت میں'' نظمیات'' اور'' تنقید'' دونوں ہی قلندر کے بصری اور عملی تنقید کے شاہکار ہیں۔ جو ادبی تنقید کے حوالے سے معلومات کا بڑا ذریعہ ہے۔قلندر کی ذکر شدہ کتابوں میں ترجموں کا رنگ کم دکھائی دیتا ہے کیونکہ پشتو کے خالص محاوروں اور لغت کے استعمال کی وجہ سے اس پر تخلیق کا گمان ہوتا ہے۔

قلندر مومند صرف تنقید اور نظمیات کے مترجم نہیں بلکہ یہ ان کے انتقادی نظریہ کی روشنی میں تخلیق ہوئے ہیں۔ان کا انتقادی نظریہ ان کے مقالات، مضامین، مقدمات اور خاص طور" پٹہ خزانہ فی المیز ان" ہے۔

ان کی تحقیق بھی" خیر البیان" محمدی صاحبزادہ، اور ابوالقاسم کے دواوین اور کلیات رحمٰن بابا سے واضح ہے۔

اس کے علاوہ "ذ قصہ خوانی گپ " (قصہ خوانی کی گپ شپ) بھی ان کے تحقیقی، تنقیدی ذہن کی وجہ سے بہت سے مقدمات کی زینت بنا ہے۔ اگر قلندر مومند بابائے غزل نہیں تو بابائے تنقید ضرور ہیں۔

قلندر کے کسی فن پارے پر تنقید ادبی جرگوں اور خاص طور پر "اولسی ادبی جرگہ" اور "ذ ساھو لیکیونکیو مرکہ" میں ہر کسی نے دیکھی ہے۔ وہ بڑے منطقی اور سائنسی انداز میں کسی تحریر پر تنقید یا اس کی تعریف کرتے ہیں اس انداز کے ساتھ کہ مد مقابل ان کے دلائل سے اتفاق کر لیتا ہے۔ قلندر نے بہت سے دیگر زبانوں مثلاً انگریزی، اردو، فارسی اور عربی کے شعر و ادب کے تنقیدی اصول کا مطالعہ کیا ہوا ہے اور اس کو پشتو میں متعارف کرایا ہے اور ان کی بدولت پشتو میں تنقید نے کافی نشو و نما پائی ہے۔

قلندر مومند کے متعلق عام طور پر یہ بات مشہور ہے کہ وہ جب کسی بات پر ڈٹ جائے تو پھر پیچھے نہیں ہٹتے یہ بات بڑی حد تک غلط ہے۔ اگر وہ کسی بات کو رد کرتے ہیں تو اپنی علمی دلائل اور وجوہات کی وجہ سے اسطرح کرتے ہیں وہ عالم ہیں اور اپنے فن کا چشمہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ وہ کسی کو اندھیرے میں نہیں رکھنا چاہتے۔ میں سمجھتا ہوں کہ قلندری تو اپنے وقت سے بہت پہلے یا پھر دیر سے پیدا ہوئے ہیں کہ نہ تو وقت اور نہ معاشرے نے ان کو اپنایا ہے۔

ان کے کسی فن پارے پر تنقیدی رائے کو آج بھی مستند سمجھا جاتا ہے لیکن پھر بھی انہوں نے اس شعبے میں اتنا کام نہیں کیا ہے جتنی ضرورت تھی۔(70)

رحمان بابا کی کلیات 1984 میں چھپی ہے مرحوم دوست محمد خان کامل اور قلندر مومند کی تحقیق و کاوش کا نتیجہ ہے یہ رحمان بابا کے کلام "دیوان" کے 7 قلمی نسخوں کا موازنہ کرنے کے بعد مرتب کیا گیا ہے لیکن رحمان بابا کے کلام کے دیگر قلمی نسخے اور بھی ہیں اور میجر راورٹی نے رحمان بابا کے کلام کے انتخاب کے وقت 60 قلمی نسخوں سے استفادہ کیا ہے۔(71)

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ رحمان بابا کا دیوان قلمی نسخوں کی تعداد کے حوالے سے "مخزن الاسلام" کے بعد دوسری کتاب ہے۔(72)

جیسا کہ ظاہر ہے کلیات جدید تحقیق اور سائنسی اصولوں اور طریقہ کے مطابق مرتب کیا گیا ہے۔ قلمی نسخوں کے ساتھ لاتعداد طبع شدہ دواوین بھی مطالعہ ہوئے ہیں۔ مختصر یہ کہ جدید تحقیق کرنے والوں کے لئے یہ ایک مستند اور جامع دیوان ہے جو ان کے لئے رہنمائی کا کام کرتی ہے۔ قلندر اور کامل دونوں تحقیق اور تنقید کے استاد ہیں دونوں مشرقی علوم کے ساتھ ساتھ یورپی علوم کا وسیع مطالعہ رکھتے ہیں۔ اس وجہ سے ان کے لئے ایسا معیاری اور مستند کلیات مرتب کرنا مشکل نہیں۔

عمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں

بعض دانشور رحمان بابا کے کلیات کے محقق اور مرتب بلا شرکت غیرے صرف کامل کو مانتے ہیں اور

قلندر کو اس میں شریک نہیں سمجھتے لیکن میں اس ضمن میں سمجھتا ہوں اور پوری ذمہ داری کے ساتھ کہتا ہوں کہ اگر کلیات پر قلندر کا نام درج نہ بھی ہوتا تو تب بھی ان کی ادبی حیثیت پر کوئی حرف نہیں آتا۔

منشی احمد جان کی ''د قصه خواني ګپ'' اور ''هغه دغه'' (یہ۔وہ) پہلی بار سال 1935 میں چھپ گئی تھیں اور یہ انگریزوں کے لئے پشتو سیکھنے کے درسی نصاب میں شامل تھیں۔ بعد ازاں 1986 میں یہ کتب قلندر مومند نے اپنے مقدمات کے ساتھ چھپوائیں۔

جیسا کہ ناموں سے ظاہر ہے ذکر شدہ تالیفات میں کہانیاں، افسانے، گپ شپ اور مضامین یا تو دیگر آثاروں سے لئے گئے ہیں یا ترجمہ کئے گئے ہیں۔ قلندر مومند ''د قصہ خوانے گپ شپ'' میں دیئے گئے ''ربښتيني مينه'' (سچی محبت) اور ''د پښتنو بدل'' (پشتون کا انتقام) کہانیاں نہیں بلکہ افسانے سمجھتے ہیں۔ اس طرح ''هغه دغه'' (یہ، وہ) میں ''توره بلا'' (کالی بلا) اور ''د زړه درد'' (دل کا درد) بھی پشتو کے ابتدائی طویل مختصر افسانے سمجھتے ہیں۔ یہ انکشاف تحقیق طلب ہے۔ یہ کتب ہر چند کہ انگریز افسران کے لئے تیار کی گئیں لیکن اپنے اسلوب اور نداز کے حوالے سے پشتو کے جدید نثری تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ درحقیقت منشی احمد جان کی یہ دونوں تصانیف ''گنج پشتو'' کے مصنف مولوی احمد کی جدید نثر کے تسلسل اور توسیع کی جانب اہم قدم ہے۔

بعض دانشور قلندر مومند پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ منشی احمد جان کی تصانیف تھیں قلندر کو دوبارہ انہیں چھپوانے کی کیا ضرورت تھی۔ اس ضمن میں یہ عرض ہے کہ قلندر مومند نے طالب علموں کی ضرورت کے پیش نظر نئی املا اور تحریر کے مطابق قارئین کو پیش کی ہیں۔

مختلف قدیم شعراء کرام کے دیوانوں کی تدوین، ترتیب اور تحقیق کے ضمن میں اب تک قلندر مومند نے صرف محمدی صاحبزادہ اور ابوالقاسم کے دیوان چھپوائے ہیں جو پشتو اور خصوصاً پشتو ادب پر بڑی عنایت ہے۔ دیگر شعراء کے دیوانوں کا جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے ابھی تک غیر مطبوعہ ہیں۔

ابوالقاسم کے دیوان کے عالمانہ اور ناقدانہ مقدمے میں قلندر نے ابوالقاسم کے زمانے کا تعین ان کے اشعار کی روشنی میں کیا ہے اور ان کے کلام کی خصوصیات بیان کی ہیں۔ ان کے جائے مقام کے متعلق نظریہ پیش کیا ہے، ان کے معاصرین و معتقدین کا ذکر کیا ہے اور ان کے علم و فضل پر روشنی ڈالی ہے۔

له کږو لارو د زلفو ګیله نه کړم
زه له زړه ګیله کوم چي ئې ګمراه کړم

(73)

ترجمہ:

زلفوں کے پر پیچ راستوں سے گلہ نہیں

گلہ اپنے دل سے ہے کہ اس کے ہاتھوں گمراہ ہوا

☆

په رنګ زیړ سترګې لوندې نرے په تن يم
نور مې مۀ لټوه پوه شه چې مئين يم

(74)

ترجمہ:

زرد چہرے، نمناک آنکھوں اور سوکھے ہوئے بدن کے
ہوتے ہوئے پوچھنا کیا خود ہی سمجھ لو کہ میں عاشق ہوں

قلندر مومند کی دوسری تالیف محمدی صاحبزادہ کا ضخیم دیوان ہے جو 443 صفحات پر مشتمل ہے۔ اپنے آٹھ صفحات پر مشتمل مختصر مقدمہ میں انہوں نے محمدی صاحبزادہ کی پیدائش، ان کے کلام کی خصوصیت، دیوان کے قلمی نسخے اور پشتو کی نئی املا کے متعلق مفید معلومات پیش کی ہیں۔

تۀ د خپل زخمي دارو بيا ولې نۀ کړې
چې دعه ئې د سرو شونډو په ټکور ده

(75)

ترجمہ:

تم اپنے زخمی کی دوا کیوں نہیں کرتے
جسکا علاج سرخ لبوں کا بوسہ ہے

☆

کټ په سر لکه اسمان په جهان ګرځم
درسته شپه مې آرام ورک دے په روزګار کښې

(76)

ترجمہ:

چارپائی سر پہ لئے آسمان کی طرح جہاں گرد ہوں
اسی روزگار میں ساری رات بے قراری میں گزر جاتی ہے۔

قلندر مومند ابوالقاسم کے دیوان کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

''اگر مقدمہ کے حجم زیادہ ہونے کی فکر نہ ہوتی اور بیجا اظہار علم کے اعتراض کا سامنا نہ ہوتا تو میں یہاں کئی مثالیں بیان کر دیتا جو آج کل کا فیشن ہے۔''(77)

اس ضمن میں عرض ہے کہ ذکر شدہ دونوں دیوانوں کے مقدمات اتنے مختصر ہیں کہ محمدی صاحبزادہ اور ابوالقاسم جن کی وجہ سے اتنی محنت ہوئی ہے نہ تو ان کا تعارف مکمل ہوا ہے اور نہ ان کے کلام کی انفرادیت ظاہر ہو سکتی ہے۔ نہ تو اتنا اختصار ہونا چاہیے کہ بات ادھوری رہ جائے اور نہ اتنی طوالت کہ مقصد ہی فوت ہو جائے بلکہ خیرالامور اوسطھا۔ یہ ایک فطری بات ہے کہ ہر عالم اپنی تحریر و تقریر میں غیر شعوری طور پر اپنے علم کا اظہار کر ہی دیتا ہے۔ لوگ عموماً اختصار کو تن آسانی اور سہل پسندی سمجھتے ہیں۔

قلندر مومند اپنے مرتب کردہ "خیرالبیان" جس کا متن اپنی تصنیف "خیرالبیان کا تنقیدی مطالعہ" میں دیا ہے پشتو اکیڈمی اور کابل طبع کے مقابلے میں اصلی اور صحیح مانتا ہے۔ اس حوالے سے جو دس دلائل دیئے ہیں ان کو رد کرنا مشکل ہے۔

قلندر مومند کے زیر بحث خیرالبیان کا مطالعہ ایک لمبی بحث ہے اور اس پر مکمل بحث ایک الگ مقالہ کا متقاضی ہے لیکن پھر بھی مختصر یہ کہ یہاں قلندر نے بایزید اور اخون درویزہ دونوں کی پوزیشن واضح کی ہے اور اس طرح پیر روشان پر تحقیق کرنے والوں کے بہت سے لاینحل مسائل حل کئے ہیں۔

قلندر مومند نے کتاب کے مقدمہ میں جس طرح کہ بتایا گیا ہے "خیرالبیان" کا اپنا موجودہ نسخہ ہی اصلی اور صحیح جانا ہے بلکہ بایزید کی پیدائش اور وفات کے متعلق بھی مضبوط دلائل کے ساتھ بحث کی ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے پیر روشان کے تصوف پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ وہ ان کے خلاف پروپیگنڈہ اور اعتراضات کی وجہ بتاتے ہیں کہ بایزید نے اپنے مخصوص طریقہ کے تحت خود کو ایک پیر کامل سمجھا۔ قلندر کے دلائل سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ روشنائی تحریک صرف ایک مذہبی تحریک تھی، ملی یا سیاسی نہ تھی۔ یہاں قلندر نے پیر روشان اور ان کے متعلق لوگوں میں پیدا شدہ غلط فہمیاں بہت سی داخلی اور خارجی شہادتوں کے ذریعے رفع کی ہیں۔ خیرالبیان کے علاوہ یہاں پیر روشان کی دیگر تصانیف مثلاً مقصود المومنین، صراط التوحید اور بعض دیگر پر بھی بحث ہوئی ہے اور روشنائی تحریک کے سرکاری تاریخ "حالنامہ" پر بھی اور اخون درویزہ اور ان کی تصانیف پر بھی، پیر روشان کے ہم عصر، متاخرین اور پیروکاروں پر بھی۔

بایزید انصاری کی تصانیف کے ذکر کے ضمن میں ان کے رسم الخط کے متعلق ایک رسالے کی بات کی جاتی ہے ہو سکتا ہے کہ ذکر شدہ دونوں نسخوں (اکیڈمی اور کابل) کا وہ حصہ جہاں رسم الخط کی بحث ہوئی ہے یہی رسالہ ہو۔

"پټه خزانه فی المیزان" جو سال 1988 میں چھپی ہے قلندر مومند کی تحقیقی و تنقیدی کاوش ہے۔ یہ "پټه خزانه" کی حقیقت سے متعلق بحث ہے۔

"پټه خزانه" پشتو شعرا کا ایک تذکرہ ہے جو محمد ہوتک کی لکھی ہوئی اور عبدالحئی حبیبی کی مرتب کردہ ہے۔ جب یہ تذکرہ چھپ گیا تو بہت سے ملکی اور غیر ملکی علماء نے اس میں لاتعداد غلطیوں اور دیگر وجوہات کی بنا

پر اس کی حقیقت اور اصلیت پر شک کا اظہار کیا۔
"پٹہ خزانہ" پہلی بار اعلیٰ حضرت شاہ حسین ہوتکی کے درباری ادیب عالم اور فاضل محمد ہوتک نے خود لکھا جبکہ دوسری بار اسے قندھار کے سردار مہردل خان مشرقی کے کہنے پر نور محمد خروٹی اور تیسری دفعہ محمد عباس کاسی نے سال 1303 ہجری قمری میں لکھا۔ محمد عباس کے ہاتھ کا لکھا ہوا یہ واحد خطی نسخہ آج کل کابل کے تاریخی ارشیف میں پڑا ہے۔ اس کو پہلی بار کابل ٹولنہ نے 45-1944 میں چھاپا۔ (78) دوسرے نسخے کی اشاعت میں کابل کے ملی ارشیف میں پڑے نسخے کا عکس دیا گیا ہے۔ یہ نسخہ سال 1975 میں چھپا ہے۔
ہم اب تک "پٹہ خزانہ" کے متعلق محققین اور ناقدین کے تین قسم کے گروپوں کا سامنا کر رہے ہیں، پہلا وہ گروپ جو "پٹہ خزانہ" کو ایک جعلی کتاب سمجھتا ہے۔ دوسرا گروپ وہ جو اسے متنازعہ یا مشکوک اثر سمجھتا ہے اور تیسرا گروپ جو اسے اصلی سمجھتا ہے اور اب تک ان تینوں گروپوں کا اس کے متعلق بحث مقالوں اور کتابوں کی صورت میں ہماری نظروں سے گزر رہی ہے۔
جب حبیبی کو ایک ایرانی عالم ڈاکٹر محمد معین کی زبانی معلوم ہوا کہ لوگ "پٹہ خزانہ" کو ایک جعلی کتاب قرار دے رہے ہیں تو سال 1958 میں انہوں نے کوئٹہ کے "گلستان" نامی رسالہ میں اس کے متعلق اپنی وضاحت پیش کی۔ اس کے بعد قلندر مومند نے اپنا پہلا مقالہ ماہنامہ پشتو مارچ 1976 میں اور دوسرا مقالہ اسی رسالہ میں سال 1979 میں شائع کیا۔
"پٹہ خزانہ" پر ان کا آخری مقالہ "کامل مومند اور "پٹہ خزانہ" ہے جو "تماس" کوئٹہ کے دوسرے رسالے میں چھپا ہے اور اس کے بعد انہوں نے اپنا تنقیدی اور تحقیقی اثر "پٹہ خزانہ" فی المیزان "چھاپا (هکذا) ان کا پٹہ خزانہ پر بڑا اعتراض اور الزام یہ ہے کہ یہ محمد ہوتک کی تالیف نہیں بلکہ عصر حاضر میں ان سے منسوب کیا گیا ہے۔
اکثر دانشور افغانستان کے اس مشہور دانشور آقائے عبدالحئی حبیبی جو "پٹہ خزانہ" کے محشی، مفسر، مرتب، مدون اور مصحح ہیں پر شک کرتے ہیں کہ شاید یہ کتاب انہوں نے خود لکھی ہے اور محمد ہوتک کے نام سے نشر کی ہے ان کے خیال میں حبیبی نے یہ کام اس وجہ سے کیا ہے کہ فارسی کے مقابلے میں پشتو کی قدامت ظاہر کریں اور اس طرح یہ افغانستان کی دفتری اور درباری زبان کا درجہ پا سکے۔ "پٹہ خزانہ" کے مخالفین حبیبی کے ادبی مقام کا اعتراف کرتے ہیں لیکن کہتے ہیں کہ ان کی اس کتاب کی تالیف کا مقصد پشتو ادب کو قدامت کی بنیاد فراہم کرنا تھی۔ (79)
"پٹہ خزانہ" فارسی کے ساتھ مقابلہ کرنے کی غرض سے لکھی گئی اس میں نظم اور نثر دونوں کو فارسی پر اولیت دی گئی ہے۔ ہمارا ادب جو فی الواقع جس مقام سے اس کا آغاز ہوا ہے اور ثابت ہے وہ کافی اور

باعث فخر ہے۔ اپنے ادب کو قدیم ثابت کرنے کے لئے منصوبے بنانا اور غلط طریقے سے دنیا کو یہ دکھانا کہ ہمارا ادب اتنا قدیم ہے صالح اور مفید کام نہیں۔ موجودہ دور میں صرف حقائق کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔(80)

محترم سعید گوہر کا ''"پتہ خزانہ فی الحقیقت" جو سال 1997 میں چھپی۔ پٹہ خزانہ کا مزید رد ہے۔ یہاں "پتہ خزانہ" کی ان غلطیوں کی نشاندہی کی گئی ہے جو قلندر مومند سے رہ گئی تھیں۔ ان کے اعتراضات بھی منطقی اور مدلل ہیں لیکن انداز بیان برعکس قلندر جذباتی اور شدت پسندی کا ہے۔

سوال یہ ہے کہ آخر "پښتو ټولنه" یا مرحوم حبیبی جو سال 1984 تک بقید حیات تھے ''مارگن سٹرن'' کے اس اعتراض کو رفع کرنے کے لئے "پتہ خزانہ" کا کاغذ اور سیاہی کیمیائی تجزیہ کے لئے کیوں پیش نہ کئے جو اس کے اصلی ہونے کا نا قابل تردید ثبوت مہیا ہونے کا باعث بنتا۔(81)

لیکن اس کے ساتھ ساتھ "پتہ خزانہ" کے حق میں بھی کافی مقالات اور آثار تصنیف ہوئے ہیں۔ آصف صمیم اور زرین انزور کے مشترکہ کاوشی اثر (د پټې خزانې میزان رښتیا میزان دے) یعنی پٹہ خزانہ کا میزان سچا میزان ہے جو 1990 میں چھپا ہے اس میں قلندر کے بعض اعتراضات اور شکوک کے جوابات دیئے گئے ہیں۔

اس کے بعد ہمیش خلیل نے بھی ''تول پارسنگ'' مطبوعہ 1992 کے ذریعے قلندر کے اکثر اعتراضات کو رد کیا ہے۔ جب قلندر سے ایک انٹرویو کے دوران ہمیش خلیل کے ذکر شدہ تصنیف کے حوالے سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ میں ھمیش خلیل کے جوابات سے مطمئن نہیں ہوں کیونکہ انہوں نے میرے تمام اعتراضات کا جواب نہیں دیا ہے۔ دوسری بات یہ کہ میرے بارے میں ان کا لہجہ کہیں سخت اور کہیں نرم ہے۔ ایک شخص بیک وقت میرے ساتھ نفرت اور محبت نہیں کرسکتا یہ کتاب اس نے نہیں بلکہ کسی اور نے لکھی ہے۔ اس طرح افغانستان کے دیگر کثیر تعداد لکھاری بھی اس کی اصالت پر تحقیق سے عمل پیرا ہیں۔ حمزہ شنواری نے بھی ایک بار کہا تھا کہ اس طرح تو ہماری ادبی تاریخ کم اور مختصر ہوجائے گی تو قلندر نے جواب دیا کہ انگریزی بھی بین الاقوامی زبان ہے مگر اس کی تاریخ کا عرصہ صرف 6 سو سال کا ہے۔

اب اس زیر بحث ادبی تنازعے نے گروپ بندی کی شکل اختیار کرلی ہے۔ مشتاق مجروح نے اپنی حالیہ تصنیف "هذا ما کنزتم" (نقد) میں ھمیش خلیل کے قلندر مومند کو دیئے گئے جوابات کا رد کیا ہے۔ درحقیقت مجروح نے قلندر کا دفاع منطقی انداز سے کیا ہے۔ ہمیش خلیل نے سعید گوہر کے اعتراضات کے جوابات "دا حقیقت دے" (یہ حقیقت ہے) کے ذریعے دیئے ہیں۔

"پتہ خزانہ" کے حق میں صدیق روہی نے ایک قانونی نکتے کی نشاندہی کی ہے کہ شک کرنا ثبوت کے معنی نہیں رکھتا اور شک کا فائدہ اکثر ملزم کو پہنچتا ہے۔ اس کے حوالے سے عرض ہے کہ ایسے نکتے پر عدالتی

فیصلہ کے ذریعے تو عمل ہو سکتا ہے مگر عام زندگی میں اس پر عمل نہیں ہو سکتا۔

جب کوئی اپنی روایتی اور قدیم راہ میں جدید رجحانات کی روشنی میں تجدید اور اجتہاد کی کوشش کرتا ہے تو لوگ اپنی کم فہمی، کم علمی یا اس شخصیت کے ساتھ بغض اور عناد کی وجہ سے ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ اس ترقی یافتہ، صنعتی اور سائنسی دور میں کسی چیز کو دیکھے بنا ماننا یا رد کرنا عقلمندی کی دلیل نہیں ہے۔

"پٹہ خزانہ" کے اکثر مخالفین اس میں غلطیوں کی بنیاد پر یہ نظریہ قائم کرتے ہیں کہ یہ جعلی ہے۔ "پٹہ خزانہ" کو جعلی ثابت کرنے کے لئے داخلی شہادتوں کے ساتھ ساتھ خارجی شہادتیں اکٹھی کرنا بھی غیر جانبدار گروپ کے ذریعے پرکھنی چاہیے۔

(13)

1۔ "پٹہ خزانہ" کے موجودہ اور واحد خطی نسخہ جو کابل کے قومی ارشیف میں پڑا ہے کا کیمیائی تجزیہ کرنا ضروری ہے تاکہ اس کا کاغذ، سیاہی اور طرزِ تحریر ملاحظہ کیا جا سکے۔

2۔ یہ ماہرین لسانیات کو بھی دکھانا ضروری ہے تاکہ معلوم کیا جا سکے کہ اس کی املاء، لغت اور تحریر کس دور سے تعلق رکھتے ہیں۔

3۔ یہ اپنے دور کے دیگر نسخہ جات کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہیے تاکہ اس کی توثیق یا تنسیخ ہو سکے۔

4۔ وہ خطاط (اگر موجود ہو) جس نے اس نسخے کی خطاطی کی ہے اس سے بھی معلومات حاصل کرنی چاہئیں۔

5۔ قلمی نسخوں کے متعلقہ رجسٹر سے بھی یہ معلوم کرنا چاہیے تاکہ اس کی توثیق یا تنسیخ ہو سکے

6۔ "پٹہ خزانہ" کے مخالفین اور ان کے اعتراضات کو رد کرنے والوں کے دلائل بھی نظر میں رکھنے چاہئیں

7۔ جیسا کہ ظاہر ہے یہاں میرا مقصد "پٹہ خزانہ" کو اصلی یا نقلی ثابت کرنے کا ارادہ نہیں بلکہ زیر بحث شخصیت قلندر مومند کی تصنیف (پٹہ خزانہ فی المیزان) کے فن، تنقیدی اور تحقیقی کاوش پر بحث کرنا ہے۔ اس سلسلے میں اوپر دیئے گئے حقائق اور معلومات بیان کرنا ضروری تھے۔ اس لئے میں نے بہ تفصیل اس کا ذکر کیا۔

قلندر مومند کی تصنیف "پٹہ خزانہ فی المیزان" ''متنی تنقید'' (Textual Criticism) کا شاہکار نمونہ ہے۔ متنی تنقید کے ذریعے ایک تصنیف کے متن کی زبان، لہجے، انداز تحریر، زمانہ اور دیگر امور پر بحث ہوتی ہے۔ جیسا کہ معلوم ہے قلندر مومند ایک باصلاحیت متن ماہر ہیں اور ان کا یہ اثر متن ماہری کے مطابق لکھا گیا ہے۔

اپنے تحقیق کی روشنی میں "پٹہ خزانہ" کو قدیم نہیں بلکہ جدید اثر سمجھتا ہے اور اس طرح ان کے دیگر

ہم خیال دانشور بھی عبدالحیٔ حبیبی کو اس تصنیف کے مولف نہیں سمجھتے۔

قلندر مومند کی تنقید مضبوط استدلال پر مبنی ہے اور دلائل کے ذریعے اس کی تردید مشکل ہے ان کی تازہ کتاب "پتہ خزانہ فی المیزان" اس کا ثبوت ہے۔ ان کا انداز بیان خالص منطقی ہے اور انکے دلائل کی تردید ابھی تک نہیں ہوئی اور شاید ہو گی بھی نہیں۔ (82)

قلندر مومند کے غیر مطبوعہ آثار میں دیوان مرزا، دیوان کامگار، کلیات خوشحال بابا اور خودان کا دوسرا شعری مجموعہ، ڈرامے، افسانے، مقالے اور مضامین ہیں۔

(14)

ہماری صوبائی حکومت نے "پشتو ڈکشنری پراجیکٹ" اور پشتو ٹرانسلیشن پراجیکٹ کے اجراء سے قبل متعلقہ مواد کی تیاری کے لئے پشتو میں ایک جدید اور معیاری رسم الخط کے اجراء اور نفاذ کو ضروری سمجھا۔ اس وجہ سے سال 1984 میں صوبائی حکومت نے وزارت تعلیم کی وساطت سے پشتو کے کثیر تعداد کے علماء کے بحث مباحثہ کے بعد اس رسم الخط کا مسودہ قلندر مومند اور تقویم الحق کاکاخیل نے تیار کرا کے بحث کے لئے پیش کیا تھا۔ سال 1990 کا باڑہ گلی میں سمپوزیم زیر بحث رسم الخط کو وسیع پیمانے پر رائج کرنا اور بالاوزیریں پختونخوا کے درمیان باقی فرق ختم کرنے کی جانب اہم قدم تھا۔ قلندر علالت اور بعض دوسری وجوہات کی بنا پر اس سمپوزیم میں شرکت نہ کر سکے ورنہ ان کے املاء پر بھی بحث ہو جاتی۔ ان دونوں گروپوں کے درمیان رسم الخط کے حوالے سے جو فیصلے ہوئے اور جس کو دونوں فریقین نے متفقہ طور پر قبول کیا اور بڑے پیمانے پر اس کی تشہیر ہوئی، ہم نے ان پر عمل کیا لیکن افسوس کہ افغانوں نے یہ فیصلے درخور اعتنا نہ سمجھے اور اپنی تحریروں میں صریحاً اس کی خلاف ورزیاں کی ہیں۔ مثلاً ع کا استعمال اور ھمزہ جو پشتو کی مستقل آواز ہے اور ع میں شامل ہے کا استعمال نہ کرنا اور اس طرح دیگر۔ جب راقم الحروف "پشتو ٹرانسلیشن" میں تھے تو اکثر املا اور تحریر کے حوالے سے قلندر مومند سے رہنمائی حاصل کرتے۔" پاک جرمن پراجیکٹ میں یہ سلسلہ چلتا رہا۔ (83)

قلندر مومند کے مروجہ رسم الخط کی املا میں تھوڑا فرق ہے۔ قلندر مومند لفظ کے آخر میں (ہمزہ) کی جگہ "ۀ" کی علامت استعمال کرتے ہیں جیسا کہ "زړۀ" کی جگہ (زړه)، (نه) کی جگہ (نۀ)، (ښه) جگہ (ښۀ) اور دیگر مزید فرق معمولی ہے۔

ہر چند کہ قلندر مومند کی طرز تحریر سائنسی بنیادوں پر استوار ہے اور اس میں ٹائپ کی سہولت کا بھی خیال رکھا گیا ہے، قافیہ اور ردیف بندی کا بھی لیکن اس کے باوجود اس طرز تحریر نے عام شرف قبولیت حاصل نہیں کی۔ لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں اور اس کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ قلندر مومند نے اپنی تمام تصانیف اس طرز پر تحریر کی ہیں جو پہلے اس میں نہ تھیں لیکن "دریاب" اس سے مستثنیٰ ہے۔

اب ہمارے سکولوں کی تمام پشتو درسی کتب اول تا بارھویں اس جدید رسم الخط میں تبدیل کردی گئی ہیں اس وجہ سے ہمارے پشتو کے طلباء اس رسم الخط اور املا کے بغیر دوسری طرز تحریر نہیں جانتے۔ اس طرح ایک رسم الخط عبدالصمد خان اچکزئی نے بھی وضع کیا تھا۔ اس رسم الخط پر "اولسی ادبی جرگہ" کے ایک اجلاس میں بحث بھی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ افغانستان کے وزیر محمد گل خان بھی ایک طرز تحریر پر کام کر چکے ہیں۔

نہ تو پشتو زبان کی کوئی لغت تھی نہ تمام پشتون قبیلوں کی کوئی مشترکہ لغت اور عرصہ دراز سے اس کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی۔ قلندر مومند جیسے نابغہ نے اس کام کو تکمیل تک پہنچایا اس طرح تمام پختونوں کی نمائندگی ہوئی۔

ہماری صوبائی حکومت نے سال 1983 میں پشتو ڈکشنری پراجیکٹ قائم کیا۔ اور بڑے عالم و ماہر لسانیات قلندر مومند کو اس کا نگران مقرر کیا۔ ان کی کوشش اور ہمت ہی سے سال 1993 میں یہ کام تکمیل کو پہنچا۔ اس کے بعد ٹیکسٹ بک بورڈ پشاور نے پشتو کے مرجہ املاء (84) میں مکمل کمپوزنگ کے بعد 1995 میں چھاپا۔ اسی سال ماہ نومبر میں صوبائی حکومت نے اس کی تقریب رونمائی کی اور اس کے بعد برائے فروخت مارکیٹ کے حوالے کیا "دریاب" (1324) صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں تیرہ ہزار سے زائد الفاظ شامل کئے گئے ہیں۔ اس کا کاغذ، طباعت، بائنڈنگ اور گٹ اپ معیار دوران کے عین مطابق ہے۔ (85)

قلندر مومند کے اعزاز میں وقتاً فوقتاً مختلف صوبوں میں ادبی تنظیموں کی جانب سے ادبی تقاریب منعقد کی گئیں جس میں شعراء کرام و ادیبوں نے ان کو عقیدت کے نذرانے پیش کئے۔

اس سلسلے میں پشتو ادبی سوسائٹی اسلام آباد کی جانب سے سال 1990 کے 30 ستمبر کو قلندر مومند کے اعزاز میں ایک ادبی تقریب کا اہتمام کیا گیا جس میں شعراء کرام نے نظمیں اور ادیبوں نے مقالے سنائے۔ تقریب کی صدارت پروفیسر تقویم الحق کا کاخیل نے کی۔ بعد ازاں یہ تمام نظمیں اور مقالے ''م۔ر۔ شفق نے کتابی صورت دیکر'' قلندر مومند فن او شخصیت'' کے نام سے چھاپے۔

اس طرح دوسری تقریب کوئٹہ میں 23 اکتوبر 1990 کو ہوئی۔ صدارت سلطان محمد صابر نے کی۔ اس تقریب میں ریاض تسنیم نے قلندر کو اپنی منظوم خراج عقیدت ذ خپل دور بایزید" پیش کیا۔ زبیر حسرت نے اپنا مقالہ "ذ کجرو شرنگ" (چوڑیوں کی جھنکار)، سیدہ حسینہ گل نے ''زما شاعر'' (میرے شاعر) نظم، سید محمود ظفر نے مقالہ "ذ قلندر تغزل" (قلندر کا تغزل)، طاہر آفریدی نے مقالہ'' "ذ ګجرې خالق" (گجرے کا خالق) اور م۔ر۔ شفق نے "ګل په چنارونو" (پھول چناروں پر) مقالے سنائے۔ آخر میں قلندر نے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور اپنی نظم "سپوږمۍ" (چاند) سنائی جو اس لوک گیت کے تاثر کے تحت کہی ہوئی ہے۔

اے سپینې سپوږمۍ تا به څوک لوبوي

د سر بند جونه وادۀ شوې زلمي خوب ځنګوي

(86)

ترجمہ:

اے چودھویں کے چاند تیرا دل کون لبھائے گا
سربند کی دوشیزائیں بیاہی گئیں اور جوان خوابیدہ ہیں۔

بعد میں ان ہی کی زیر صدارت ایک عظیم مشاعرہ بھی ہوا۔

دوسرا سیمینار ایڈورڈ کالج پشاور میں 5 نومبر 1997 کو "ورسک ادب ستوری"، "دادبی دوستانو مرکہ مردان" اور "دساھو لیکو ٹکیو مرکہ پشاور" کے تعاون سے قلندر مومند کے اعزاز میں ہوا جس کی صدارت پروفیسر تقویم الحق کاکا خیل نے کی اور مہمان خصوصی قمر راہی تھے۔ اس سیمینار کے مقالے، خاکے اور نظمیں کتابی صورت میں شائع ہو چکے ہیں۔

قلندر مومند کو اپنے ہم عصر اور پیروکاروں نے مختلف القابات سے نوازا۔ ایوب صابر مرحوم نے اسے جینیئس، زبیر حسرت نے (Second to none) کسی نے Encyclopaedic Writer، کسی نے "ژوندي هجري" (زندہ ہجری) اور کسی نے "دَ خپل دور بایزید" (اپنے دور کا بایزید) تو کسی نے "دَ پښتو ډاکټر جانسن" (پشتو کا ڈاکٹر جانسن) کہا۔ عوامی سطح کے علاوہ حکومتی سطح پر بھی ان کی ادبی خدمات کا اعتراف ہوا اور کئی تحفہ جات اور انعامات سے نوازے گئے۔

قلندر مومند نے اپنے طویل ادبی سفر میں جہاں بھی قدم اٹھایا، جس جانب بھی اٹھایا ان کے نقش پا آئندہ نسل کے لئے مشعل راہ کا کام دیں گے۔

زور هسې پېغور شي چې همت ورسره مل نۀ شي
ورک هغه مشال شه چې تيارۀ وی او دې بل نۀ شي

(غنی خان)

ترجمہ:

قوت فقط طعنہ بن جائے جس کے ساتھ ہمت شامل نہ ہو
فنا ہو جائے وہ مشعل جو تاریکیوں میں روشن نہ ہو جائے۔

قلندر مومند ادبی تاریخ کے آئینے میں

محترم قلندر مومند کا فن اور شخصیت اتنا پر اثر اور مختلف النوع ہے کہ اس تک پہنچنا اور سمجھنا آسان نہیں ہے۔ دوست محمد خان کامل مومند (مرحوم) کے بعد پشتو ادب میں اب کوئی نہیں دکھائی دے رہا جو صحیح معنوں میں ہر لحاظ سے زبان اور ادب کا حق ادا کر سکا ہو اور اگر ایسا کوئی ہے تو وہ یقیناً قلندر مومند ہے کیونکہ قلندر صرف ایک عام نام نہیں بلکہ ایک دور، ایک تحریک اور انفرادی طور پر ایک ادبی مکتب ہے ان کی زندگی اور فن کے مختلف النوع پہلوؤں میں انتخاب کے وقت یہ مشکل پیش آتی ہے کہ لکھنے والا قلندر کے بطور شاعر، ادیب، دانشور، افسانہ نگار، ناقد، محقق، مترجم، صحافی، ماہر لسانیات اور سیاست ان کے کس پہلو پر لکھے؟۔ تو اس لئے میں نے اپنی تحریر و تحقیق کے لئے جس عنوان کا انتخاب کیا ہے وہ بھی اتنا آسان نہیں لیکن میری متجسس طبیعت سے میل کھاتا ہے اور مجھے یقین ہے کہ قلندر مومند جیسے دیگر محققین کو بھی یہ قابل قبول ہوگا۔

میں نے اپنے کام کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

1۔ قلندر مومند کی تصنیفات

2۔ قلندر مومند کے مقدمات

3۔ قلندر کی شائع شدہ منظومات اور نثری آثار کی فہرست (مختلف رسائل میں)

4۔ قلندر مومند اور انکی تحریروں پر ہمعصروں کی تحریریں۔

اس مقالے کا تیسرا حصہ نامکمل ہے اس لئے کہ یہ ان اخبارات کے اداریوں، کالموں، مضامین، مقالات اور منظوم کلام کی تفصیل نہیں رکھتا جس سے قلندر صاحب کی صحافتی زندگی میں واسطہ رہا اور جس میں ان کی کوشش اور محنت نمایاں ہے لیکن یہاں کچھ نہ کچھ ذکر ہو جائے۔

روزنامہ "انجام" پشاور، کراچی

اس اخبار میں قلندر مومند کے مختلف مضامین کے علاوہ اردو کالم "پشاور نامہ" اور پشتو کالم "د مردان مردان" شائع ہوتے تھے۔

روزنامہ "بانگِ حرم"، پشاور

اس اخبار میں قلندر صاحب نیوز ایڈیٹر بھی رہے اور مختلف مضامین بھی لکھے۔

روزنامہ "خیبر میل" (انگریزی) پشاور

قلندر صاحب اس اخبار کے سٹاف رپورٹر اور نیوز ایڈیٹر بھی رہ چکے ہیں۔ مختلف مضامین اور شاعری کا ابتدائی حصہ "پشتو حصہ" میں شائع ہوا ہے۔ جس کے انچارج حمزہ صاحب مرحوم تھے۔ قلندر صاحب کے مطابق ان کی پہلی غزل 1940 میں اس میں شائع ہوئی اس وقت ان کی عمر 10 برس تھی۔ غزل کا مطلع اور ایک شعر اسطرح تھا۔

زما د اوښکو دا قطرې د زړهٔ اواز نهٔ شی
د یاس نظر نه مې شورش د محفل ساز نهٔ شی
محمود دَ خپل الفت مظهر دے خو په دې ویریږی
چې په اظهار دَ محبت خفه ایاز نهٔ شی

ترجمہ:

میرے آنسو دل کی آواز نہ بن جائے
یاس کی نظر سے شورشِ محفل ساز نہ بن جائے
محمود اپنی الفت کا مظہر ہے مگر ڈرتا ہے
کہ اظہارِ محبت سے ایاز خفا نہ ہوجائے

روزنامہ "شہباز" پشاور

قلندر صاحب اس کے ایڈیٹر بھی رہے ہیں۔ اس کے بہت سے اداریے پشتو اور اردو میں لکھے۔ ان کے مختلف مضامین اس میں شائع ہوئے۔

ہفت روزہ "الوحدت" پشاور

اس اخبار میں "گرتو برانہ مانے" کے نام سے کالم لکھتے رہے۔

روزنامہ "وحدت" پشاور

"الوحدت" جب "وحدت" بنا تو ابتدا میں قلندر صاحب اس کے نیوز ایڈیٹر تھے۔ اداریے، مضامین اور شعر اس میں لکھتے رہے جبکہ "ذ نخښې منخ" (ہدف) کے زیرِ عنوان "تماشگیر" کے قلمی نام سے کالم بھی لکھتے رہے۔

پشاور ٹائمز، نصیب سرحد اور فرنٹیئر گارڈین میں بھی ان کی لاتعداد مضامین شائع ہوئے۔ مشرقی پاکستان "بنگلہ دیش" کے "ویک پاکستان" اور ویکلی "حالیڈے" سے بھی منسلک رہے۔ 1962 میں چار صفحات پر مشتمل اخبار "الحق" شائع کرتے رہے جس کی 60 تک سرکولیشن تھی۔ اس کے علاوہ پشاور یونیورسٹی کے شعبہ انگریزی کے "جنرل آف انگلش لٹریری کلب" کے طالب علم مدیر بھی رہے ہیں اور گومل یونیورسٹی کے میگزین (دانش) کے چیف ایڈیٹر بھی رہے ہیں۔

قلندر مومند کی تصنیفات

قلندر مومند ادبی دنیا کے سپر پاور رہے ہیں۔ ان کی ہر کتاب ادبی دنیا میں دھماکہ خیز ثابت ہوئی۔ شاعری ہو یا افسانہ، تحقیق ہو یا تنقید، ترجمہ ہو یا ترتیب و تدوین یہ سب کچھ وہ بہت خوبصورت انداز کیساتھ منظر عام پر لائے۔ ہر کوئی ان کی تحریریں شوق سے پڑھتا ہے اور انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ قلندر صاحب کی ہر کتاب شعر و ادب، تحقیق و تنقید کے معیار اور اصولوں پر پوری اترتی ہے۔ ان کی کتابوں پر کتابیں لکھیں جا سکتی ہیں اور لکھی بھی گئیں ہیں۔ یہاں ان کی کتابوں کی مختصر تاریخ یا یوں کہیے مختصر فہرست پیش کی جاتی ہے۔

ګجرې (گجرے)(1959)

یہ قلندر صاحب کے افسانوں کا مجموعہ ہے جو پہلی بار 1959 میں یونیورسٹی بک ایجنسی نے شائع اور نشر کیا۔ اس مجموعہ میں طبع زاد افسانوں کے علاوہ ایک افسانہ "ذ رنړو اوبو اونه" کرشن چندر کے افسانے "پانی کا درخت" سے اخذ کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا مقدمہ دوست محمد خان کامل مرحوم نے لکھا ہے۔

تنقید (1963)

ہڈسن کی مشہور کتاب "An introduction to the study of Litetature"

کے ایک باب کی تلخیص اور تنقید ہے جو پہلی بار سال 1963 میں قومی مکتبہ اور عظیم پبلشنگ ہاؤس پشاور سے شائع اور نشر کی گئی ہے۔

اس کتاب کے مزید دو ایڈیشن سال 1978 اور سال 1982 میں قامی مکتبہ پشاور سے شائع ہوئے ہیں اور یہ کتاب ایم۔اے پشتو کے نصاب میں بھی شامل ہے۔

نظمیات (اپریل 1963)

ارسطو کی مشہور کتاب (Poetics) کی تشریح اور تبصرہ ہے۔ یہ سال 1963 ماہ اپریل میں سرحد الیکٹرک پریس پشاور میں چھپی اور عظیم اللہ خان عظیم پبلشنگ ہاؤس نے نشر کی۔

سباون 1976

یہ قلندر صاحب کا پہلا شعری مجموعہ ہے جو پہلی بار 1976 میں شاھین برقی پریس پشاور میں چھپا ہے اور قامی مکتبہ، پشاور سے نشر ہوا ہے۔ اس مجموعہ کلام میں قلندر صاحب کی شاعری (غزلیں، نظمیں، چاربیتہ) کے علاوہ محترم دوست محمد خان کامل کا مقدمہ "د سباوون زیري" (نوید صبح) اور ایوب صابر کا لکھا خاکہ "جینیسس" بھی شامل ہے۔ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن "ہفت روزہ هیواد" نے نئی املاء میں 1988 میں شائع کیا اور تیسرا ایڈیشن تاج کتب خانہ قصہ خوانی بازار پشاور نے 2000 میں شائع کیا۔

"د زمکې قصې" (زمین کی کہانی)

"سندھی ژبه او ادب" (سندھی زبان وادب)

"د محنت قدر" (محنت کی قدر)

تصنیف: قلندر مومند

نظر ثانی: پروفیسر پریشان خٹک اور پروفیسر سید تقویم الحق کاکا خیل

پراجیکٹ ڈائریکٹر: محمد نواز طائر

تصحیح و تدوین: سیف الرحمن سید

طباعت: جدون پریس پشاور

اھتمام: یاسمین پرویز احمد خان

سال اشاعت مارچ 1981

پشتو اکیڈمی پشاور یونیورسٹی:

قیصے (قصے) (کہانیاں) 1983

قلندر صاحب کی مختصر اور عبرتناک کہانیوں کا مجموعہ ہے جو پہلی بار مارچ 1981 میں بہ اہتمام یاسمین پرویز احمد خان جدون پریس پشاور سے شائع ہوا اور پشتو اکیڈمی پشاور نے اسے نشر کیا۔ اس کتاب پر پروفیسر پریشان خٹک نے نظر ثانی کی ہے تصحیح اور تدوین کے خانے میں سیف الرحمٰن سید کا نام ہے جبکہ پروجیکٹ ڈائریکٹر کے طور پر محمد نواز طائر کا نام درج ہے۔

د رحمان بابا کلیات (کلیات رحمٰن بابا) (1984)

اس کتاب کو قلندر صاحب اور دوست محمد خان کامل نے باہم مل کر ترتیب دی ہے اور پہلی بار 1984 میں عزیز خان نے چھاپہ خانہ کوہاٹ روڈ سے شائع اور نشر کی۔

د ابوالقاسم دیوان (دیوان ابوالقاسم) (1985)

یہ دیوان قلندر صاحب نے ترتیب دیا ہے اور پہلی بار چھاپہ خانہ کوہاٹ روڈ پشاور نے شائع اور نشر کیا۔

د محمدی صاحبزادہ دیوان (دیوان محمدی صاحبزادہ) (1985)

یہ دیوان قلندر صاحب نے ترتیب دے کر پہلی بار 1985 میں چھاپہ خانہ کوہاٹ روڈ پشاور نے شائع اور نشر کیا۔

دخیر البیان تنقیدی مطالعه (خیر البیان کا تنقیدی مطالعہ) (1988)

یہ قلندر صاحب کی لکھی ہوئی تحقیقی اور تنقیدی کتاب ہے جسمیں بایزید انصاری (پیر روشان) کی کتاب "خیر البیان" بھی نئی قرات "صرف پشتو" (قلندر کے کہنے کے مطابق) شامل ہے۔ یہ پہلی بار 1988ء میں "چاپ خانی پبنبور" سے شائع اور نشر کی گئی۔

پټه خزانه فی المیزان (پتہ خزانہ فی المیزان): (1988)

"پتہ خزانہ" کے رد میں یہ تحقیقی اور تنقیدی کتاب قلندر مومند نے پہلی بار 1988 میں "ډ چاپ خانې کوہاٹ روڈ پشاور سے شائع کی ہے۔

میلینیم اور کرزما (سواتی پٹھانوں میں)1988

اکبر ایس احمد کے انگریزی کتاب کا ترجمہ ہے جو کہ سید تقویم الحق کاکا خیل نے قلندر مومند کے اشتراک سے کیا ہے۔ جسے پشتو اکیڈیمی پشاور یونیورسٹی نے پہلی بار 1988 میں شائع کیا ہے۔

رنائی (اجالا) 2004

قلندر مومند صاحب کا دوسرا شعری مجموعہ ہے جو پہلی بار 2004 میں ان کے بیٹے زلان مومند نے ''قلندر ریسرچ سیل''(دور) سے شائع کیا ہے۔

دریاب (پشتو لغت)

یہ قلندر صاحب کی تالیف ہے جو پہلی بار 1994 بمطابق 1415 ہجری حاجی خواجہ محمد نے امید پرنٹرز دربار مارکیٹ لاہور سے شائع کی ہے اور این۔ ڈبلیو۔ ایف۔ پی ٹیکسٹ بک بورڈ پشاور نے نشر کیا ہے۔ ''دریاب'' پر فرید صحرائی کا نام بھی لکھا گیا ہے۔

قلندر مومند کے ادبی مقدمات

قلندر مومند صاحب اپنے منفرد اسلوب کے لکھاری ہیں انہوں نے اپنی ہر تحریر میں بہت محتاط رویے کا مظاہرہ کیا ہے اور اپنی دیگر تحریروں کی طرح مقدمات میں بھی زیادہ اختصار سے کام لیا ہے لیکن اس اختصار میں جتنی جامعیت ہے وہ انہی کے تنقیدی ذہن کا حصہ ہے۔ ایک لکھاری کے لئے قلندر مومند کی رائے سند کا درجہ رکھتی ہے۔ جس کتاب پر قلندر صاحب کا نام آتا ہو وہ نہ صرف تبرک اور یادگار ہوتا ہے بلکہ لکھاری کے نام اور شخصیت کے لئے باعث فخر ہوتا ہے۔

قلندر صاحب اب ''مقدمہ'' کے نام سے متفق ہیں اور اسے صحیح سمجھتے ہیں لیکن ان مقدمات میں اگر پلوشہ، مقدمہ، پیش لفظ اور دیگر نام بھی ہیں تو دیباچہ اور سریزہ بھی نظر آتا ہے لیکن زیادہ تر سریزوں پر نہ تو کوئی عنوان ہے اور نہ کوئی دوسرا نام بلکہ "ھو الناصر" ہی لکھا گیا ہے۔ ان کے لکھے ہوئے مختلف مقدمات اگر جمع کئے جائیں تو ایک الگ ضخیم کتاب بن سکتی ہے اور اس سے ان کی علمی اور نظریاتی تنقید کے متعلق ایک واضح نکتہ نظر سامنے آسکتا ہے اور یہ کہ اسے قلندر صاحب کی شخصیت علمی اور نظریاتی نقاد کی حیثیت سے مسلم اور متعین ہو سکتی ہے۔ قلندر صاحب نے اس وقت تک جتنی کتابوں پر مقدمے لکھے ہیں تعارف پیش کرتا ہوں اس کی ترتیب تاریخوار ہے۔

غزونی (16 اگست 1956)

یہ محترم امیر حمزہ خان شنواری (بابائے غزل) کا پہلا شعری مجموعہ ہے اس وقت تک اس کے 10 سے زیادہ اڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ میرے پاس اس مجموعے کا جو اڈیشن ہے وہ جدون پریس پشاور میں داد محمد دلسوز کے زیر اہتمام چھپا ہے لیکن اس پر سال تحریر نہیں اور قلندر مومند نے اس پر "زمونږ عهد او د حمزه مقام" (ہمارا عہد اور حمزہ کا مقام) کے عنوان سے مقدمہ لکھا ہے جس پر 16 اگست 1956 کی تاریخ درج ہے۔

پت 1959

یہ میر مہدی شاہ مہدی کے افسانوں کا مجموعہ ہے جو پہلی بار 1959 میں (یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور) نے شائع کیا ہے اور قلندر مومند نے اس پر "پیش لفظ" کے نام سے مقدمہ تحریر کیا ہے جس کے نیچے 13 اپریل 1959 کی تاریخ درج ہے۔

تنقید (1963)

اس کتاب پر "دیباچہ" کے عنوان سے قلندر صاحب نے مقدمہ لکھا ہے۔

نظمیات (اپریل 1963)

اس کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ دیباچہ کے عنوان سے اس پر قلندر صاحب نے اپنا مقدمہ تحریر کیا ہے اس پر 1963 کی تاریخ درج ہے۔

مثنوی پس چہ باید کرد مع مسافر (پشتو ترجمہ جون 1969)

علامہ اقبال کی مثنوی کا ترجمہ ہے جو سید تقویم الحق کاکا خیل نے کیا ہے اور اقبال اکیڈیمی کی وساطت سے پشتو اکیڈیمی پشاور یونیورسٹی نے پہلی بار جون 1969 میں شاہین پریس پشاور میں چھاپا ہے۔ قلندر مومند کا مقدمہ "پلوشہ" کے عنوان سے درج ہے اور جس پر مئی 1967 کی تاریخ لکھی گئی ہے۔

زما سندرے (زما سندرې) (میرے گیت) (جنوری 1973):

ہمیش خلیل کا دوسرا شعری مجموعہ ہے جو پہلی بار جنوری 1973ء میں منظور عام پریس پشاور میں چھپا ہے اور "دارالتصنیف پشاور" سے نشر ہوا ہے۔ اس مجموعہ پر کامل صاحب کے مقدمے کے علاوہ قلندر صاحب نے بھی "سریزہ" کے عنوان کے تحت مقدمہ لکھا ہے۔

زیگر خون (ځیگر خون) (جون 1973)

محترم ایوب صابر کا پہلا شعری مجموعہ ہے جو سال 1973 جون کو پہلی بار شاھین پریس پیاور میں چھپا اس مجموعے پر قلندر صاحب کا مقدمہ 15 رمضان، 1392 ہجری بمطابق 1973، 24 اکتوبر لکھا گیا ہے۔ زیگر خون کا دوسرا ایڈیشن "ډ چاپ خانې پهبور" نے 1983ء میں شائع کیا ہے۔

زما سفرنامه 1977ء "میرا سفرنامہ"

یہ سیدہ قانتہ بیگم کا پہلا سفرنامہ ہے جو پہلی بار 1973 میں بقول مالک یونیورسٹی بک ایجنسی پشاور میاں فضل منان کے فرزند میاں انعام اللہ صاحب کے شائع ہوا تھا۔ اس کتاب پر عبدالخالق خلیق، میاں سید رسول رسا کے علاوہ قلندر مومند نے اپنی گذارشات مقدمہ کی شکل میں لکھی ہیں لیکن اس کا کوئی عنوان نہیں اور نہ تاریخ درج ہے۔ خلیق صاحب اور رسا صاحب کی تحریروں میں بھی کوئی تاریخ درج نہیں ہے البتہ موصوفہ سیدہ قانتہ بیگم نے "زما سفرنامہ" کے عنوان سے جو لکھا ہے اس کے نیچے لکھنے کی تاریخ نومبر 1948 اور اختتام کی تاریخ 9 ستمبر 1976 درج کی گئی ہے۔

خوارهٔ خیالونه (خوارهٔ خیالونه) 1983ء (بکھرے خیالات)

یہ شیر محمد خان مومند کا پہلا شعری مجموعہ ہے جس پر نہ سال اشاعت اور نہ اشاعتی ادارے کا نام درج ہے۔ اس مجموعہ کلام پر قلندر صاحب کی تحریر "هوالناصر" کے عنوان سے درج ہے جس کے نیچے جمعہ 2 جمادی الثانی 1403ھ بمطابق 1983 درج ہے۔

د رحمان بابا کلیات (1984) (کلیات رحمان بابا)

اس کی تفصیل پہلے درج ہو چکی ہے۔ اس پر قلندر صاحب کا مقدمہ "هوالناصر" کے عنوان سے درج ہے۔

محترم دوست محمد خان کامل مومند کی تحقیقی اور تنقیدی کتاب ہے جو پہلی بار 1985 میں "دٔ جاب خانې بهبنور" نے چھاپی ہے۔ قلندر صاحب نے اس پر هوالناصر کے عنوان سے مقدمہ لکھا ہے۔

خوشحال فرهنګ (مارچ 1985ء)

یار محمد مغموم خٹک کی تحقیقی کاوش ہے جو "کلیات خوشحال" جلد اول پر مبنی ہے جو دٔ جاب خانې بهبنور" نے چھاپی ہے اور ڈاکٹر یار محمد مغموم خٹک نے خود نشر کی ہے۔ اس فرہنگ پر "هوالناصر" کے عنوان کے تحت قلندر مومند نے مقدمہ لکھا ہے اور اس پر 30 نومبر 1984 کی تاریخ درج ہے۔

د محمدی صاحبزاده دیوان (1985) (دیوان محمدی صاحبزادہ)

اس کی تفصیل درج کی گئی ہے "هوالناصر" کے عنوان سے قلندر نے اس پر یکم شوال 1405ھ بمطابق 19 جون 1985 کی تاریخ درج کی ہے۔

د ابو القاسم دیوان (دیوان ابو القاسم) 1985

اس کی تفصیل بیان کی گئی ہے قلندر صاحب نے اس پر مقدمہ درج کیا ہے لیکن تاریخ غلطی سے 1406ھ بمطابق 15 جولائی 1986 درج ہے۔

د رحمان بابا نوم خود (دٔ رحمان بابا نوم بنود) (1986)

جناب آصف صمیم کی کاوش اور تحقیق ہے جو پہلی بار 1986 میں جدون پریس پشاور میں چھپی اور رحمان ادبی جرگہ پشاور نے نشر کی۔ اس کتاب پر قلندر صاحب نے مقدمہ لکھا ہے جس پر 18 محرم الحرام 1405ھ بمطابق 14 اکتوبر 1985 کی تاریخ درج ہے۔

د قصہ خوانے گپ (دٔ قصہ خوانی گپ) (قصہ خوانی کی گپ شپ) (1976)

یہ منشی احمد جان کے مضامین اور افسانوں کا مجموعہ ہے جسے قلندر صاحب نے دوبارہ ترتیب دی ہے اور "دٔ چاپ خانی پبجنور" نے چھاپا ہے۔ سال اشاعت 1976 ہے۔ قلندر صاحب "ھوالناصر" کے عنوان سے اس پر مقدمہ 5 اکتوبر 1985 کو لکھا ہے۔

د سلگو پہ شور کے (دٔ سلگو بہ شور کښې) 5 مارچ 1987

یہ جواں مرگ شاعر خان بہادر حسرت کا شعری مجموعہ ہے جو تا وقت بعض ناگفتہ بہ حالات کی وجہ سے شائع نہیں ہوا ہے۔ قلندر صاحب نے حسرت کی زندگی میں اس پر مقدمہ لکھا تھا جس پر 5 مارچ 1987 کی تاریخ درج ہے۔ یہ مقدمہ میرے پاس محفوظ پڑا ہے اور انشاء اللہ جب بھی حالات سازگار ہوئے حسرت مرحوم کے اس شعری مجموعے کے ساتھ شائع ہو جائے گا۔

د خیر البیان تنقیدی مطالعہ (خیر البیان کا تنقیدی مطالعہ) 1988

اس کتاب پر قلندر صاحب نے طویل مقدمہ "ھوالناصر" کے عنوان سے لکھا ہے جو ص نمبر 1 سے ص نمبر 189 تک ہے اور اس کے نیچے 7 جنوری 1987 بمطابق 6 جمادی الاول 1407ھ کی تاریخ درج ہے۔

پٹ مخونہ (پٹ مخونہ) 1988 (پوشیدہ چہرے)

یہ قیوم مروت کے افسانوں کا مجموعہ ہے جو پہلی بار جون 1985 کو تاج پریس پشاور میں چھپا اور عظیم پبلشنگ ہاؤس پشاور اور عزیز نیوز ایجنسی کوہاٹ سے نشر ہوا۔ اس کتاب پر قلندر صاحب نے "رونمائی" کے عنوان کے تحت 10 دسمبر 1987 کو مقدمہ لکھا ہے۔

پٹہ خزانہ فی المیزان (پٹہ خزانہ فی المیزان) 1988

اس کی تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے۔ اس کتاب پر قلندر صاحب نے "رومبی خبرې" (ابتدائیہ) کے عنوان سے مقدمہ لکھا ہے۔ جس پر ذوالحج کے مہینے کی 16 تاریخ 1408ھ بمطابق 21 جولائی 1988 تاریخ درج ہے۔

پاستہ کانڑی (کانی) (گداز پتھر) ستمبر 1988

یہ رومان ساغر کا پہلا شعری مجموعہ ہے جو پہلی بار ستمبر 1988 کو تاج پریس پشاور میں چھپا اور "ذ ساھو لیکوونکیو مرکہ" کوہاٹ کی جانب سے نشر ہوا۔ اس کتاب پر قلندر مومند کا مقدمہ ذی القعدہ 1408ھ بمطابق 20 جون 1988 تاریخ درج ہے۔ اس کتاب کا انتساب کامل صاحب اور ایوب صابر صاحب کے ساتھ قلندر مومند کے نام بھی ہوا ہے۔

غزلزار 1990

محمد زبیر حسرت کی غزلوں (تضامین) کا مجموعہ ہے جو پہلی بار نومبر 1990 میں رضوان پرنٹر پشاور میں چھپا اور "ذ ادبی دوستانو مرکہ" مردان" ؛ "ذساھو لیکوونکیو مرکہ" پشاور کی جانب سے نشر ہوا۔ اس مجموعے پر قلندر صاحب نے فلیپ لکھا ہے لیکن تاریخ درج نہیں لیکن یہ فلیپ اسی مہینے نومبر اور سال 1990 میں لکھا گیا ہے۔

نگے نظر (ننگی نظر) 1992

امتیاز احمد عابد کا دوسرا شعری مجموعہ ہے جو پہلی بار 1992 میں ایم۔زمان پریس شمسی روڈ مردان میں چھپا اور رحمان ادبی جرگہ مردان کی جانب سے نشر ہوا۔ اس مجموعہ پر قلندر مومند نے اپنے تاثرات لکھے ہیں۔

ڈاکٹر (ڈاکٹر) امین الحق یوه مطالعه (ڈاکٹر امین الحق ایک مطالعہ) 1994

ڈاکٹر امین الحق کی زندگی اور فن پر مقالات اور نظموں کا مجموعہ ہے جو پہلی بار 1994 میں وحدت پرنٹنگ پریس پشاور میں چھپا اور "ذ ادبی دوستانو مرکه مردان" کی جانب سے نشر ہوا۔ اس مجموعے کے بیک ٹائٹل پر قلندر مومند نے اپنا مقدمہ "ھوالناصر" کے عنوان سے لکھا ہے۔ جس پر 23 اپریل 1994 کی تاریخ درج ہے۔

مزل 1997

یہ محترم لعل زادہ شنواری کا پہلا شعری مجموعہ ہے جو سال 1997 میں ملت ایجوکیشنل پرنٹرز لاہور میں چھپا اور خیبر ادبی جرگہ کی جانب سے نشر ہوا "ھوالناصر" کے عنوان کے تحت قلندر صاحب نے اس پر اپنا مقدمہ لکھا ہے جس پر بروز جمعہ 6 ستمبر 1996 کی تاریخ درج ہے۔

اولسی ادبی جرگه (اولسی ادبی جرگہ) 1998

محمد زبیر حسرت کی تحقیقی اور تنقیدی کتاب ہے جو پہلی بار ستمبر 1998 میں چھپی۔ "اولسی ادبی جرگہ" اور اپنی اس کاوش پر حسرت نے قلندر صاحب سے جو سوالات پوچھے تھے اور انہوں جو جوابات دیئے تھے اس کو فیض الوہاب فیض نے خوبصورت انداز کے ساتھ مقدمہ کا رنگ دیا ہے کہ نہ تو قلندر مومند کے الفاظ اور نہ مفاہیم میں کوئی فرق آیا ہے۔

قصه خانه 1988

محمد زبیر حسرت کے افسانوں کا پہلا مجموعہ ہے جو پہلی بار جنوری 1988 کو تاج پریس پشاور میں چھپا اور "ذادبی دوستانو مرکہ مردان" کی جانب سے نشر ہوا اس مجموعے کا فلیپ قلندر صاحب نے لکھا ہے جس پر 10 نومبر 1997 کی تاریخ درج ہے۔

ساخنی

یہ مفلس درانی کا شعری مجموعہ ہے اور قلندر صاحب نے اس پر مقدمہ لکھا ہے۔

مختلف رسائل قلندر مومند کے منظوم ونثری تحریریں

کۀ غوپې ںسې وهې په لاس به درشي
چا وې دا چې په درياب کښې گوهر نشته

ترجمہ:

غوطے لگانے سے ہاتھ آئینگے
کون کہتا ہے کہ دریا میں گوہر نہیں ہیں

اپنی تحقیق کے تیسرے مرحلے میں قلندر صاحب کے ان نثری اور منظوم تحریروں کی فہرست پیش کرتا ہوں جو وقتاً فوقتاً پشتونخوا کے مختلف ہفت روزوں، پندرہ روزوں، ماہوار اور سہ ماہی رسالوں میں شائع ہوئی ہیں جن کی اہمیت وافادیت آج تک مسلم ہے۔ اس میں ان کی صحافتی زندگی کی نشاندہی ہوتی ہے اور ادبی نیرنگیاں بھی ملتی ہیں۔ شاعری، افسانے، مقالے، مضامین اور اداریے بھی اور اگر اس تمام مواد کو اکٹھا کیا جائے تو ان سے بھی ضخیم جلدیں مرتب ہو سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ مختلف اہل علم نے قلندر صاحب کی نظمیں اور افسانے اردو میں ترجمہ کر کے شائع کئے ہیں۔ ہر چند کہ ان اہل قلم کی محنت کے زمرے میں آتے ہیں لیکن بنیادی تحقیق قلندر مومند کی ہے لہذا یہ تراجم اس فہرست میں شامل کئے گئے ہیں جس کی ترتیب حروف تہجی کی بنیاد پر ہے۔

اٹک کے اس پار (پشتو کے لوک گیت) (اردو مقالہ): مجلہ سنگ میل پشاور سالنامہ، ادبیات سہ ماہی اسلام آباد

1 چوب خشک ("لرگے" نامی افسانے کا ترجمہ) عبدالکافی ادیب، شمارہ نمبر 17 جلد 5، 1992

2 صرف شرفاء کے لئے (اردو ترجمہ) پرویز محمود خوشتکی شمارہ نمبر 20 جلد۔ 1992

3 حبیب بنام سرکار (اردو ترجمہ) عبدالکافی ادیب، شمارہ نمبر 21 جلد خزاں: 1992

4 قلندر سے انٹرویو (عبدالکافی ادیب) انٹرویو

5 آرزوئے ناتمام (بہار کے افسانے کا اردو ترجمہ)۔ عبدالکافی ادیب۔

6 آواز نظم (فہیم سرحدی) اردو ترجمہ

7 شیشہ نظم (اردو ترجمہ) محمد زبیر حسرت شمارہ نمبر 26 جلد بہار: 1994

اسلم ماہنامہ پشاور

1 رحمان بابا (مقالہ) رحمان نمبر، شمارہ: 7،6 اپریل، مئی 1950

2 ملاقات: طوفان + اجمل + ھمیش

3 فریب (نظم)

4 "لرگئے" افسانہ۔ یہ افسانہ "گجرې" میں شامل ہے

5 "زیرے" (نوید) نظم

6 "خیر تہ" نظم۔ یہ نظمیں سباؤن میں چھپی ہیں۔ رحمان نمبر مئی 1952

الفلاح پشاور

1 "سنیرې" (چہرے) "لیدلي کتلي" (دیکھے بھالے)، "نوي نوي"۔ (نئے نئے) امیر حمزہ خان شنواری، دوست محمد کامل، لطیف وھمی، حسین بخش کوثر، طالب تا جب، عبدالرحیم مجذوب، پہلا ماہوار پشتو ایڈیشن فروری 1955

2 سلیم۔ ان کی شاعری (مقالہ) مارچ 1955 دوسرا ایڈیشن

روزنامہ "انقلاب" پشاور

1 پشتو کا پہلا افسانہ نگار (تحقیقی مقالہ)

2 "یاد" (نظم) یہ نظم سباؤن میں نہیں ہے۔ یکم مارچ 1987

پختانہ لیکوال (پښتانہ لیکوال)

1 فریب (نظم) یہ نظم سباؤن میں نہیں

2 غزل

3 غزل

پختانہ لیکوال (پښتانہ لیکوال) طبع سوم، پشتو ادبی مرکز سرائے نورنگ 1993

پشتو، پشتو اکیڈیمی پشاور یونیورسٹی

1 رحمان بابا کا ایک الحاقی غزل (تحقیقی اور تنقیدی مقالے) اکتوبر، نومبر 1975-1395

2 "پتہ خزانہ فی المیزان" (تحقیقی اور تنقیدی مقالہ) یہ مقالہ قلندر صاحب کی مذکورہ کتاب کا پہلا مقالہ ہے۔ 10 مارچ 1976

3 پشتو ادب کے عصری تقاضے (مقالہ) اردو سے پشتو ترجمہ سیف الرحمن سید جولائی 1976۔ یہ مقالہ روزنامہ انقلاب پشاور پشتو ادبیات میں 2 فروری 1987 دوبارہ شائع ہوا اور پشتو اکیڈیمی کی جانب سے نشر کی گئی کتاب پشتو کی پہلی لسانی کانفرنس میں بھی شائع ہوا۔

4 دیوان یونس کی شہادت، تحقیقی اور تنقیدی مقالہ۔ یہ مقالہ بعد ازاں پنٹہ خزانہ فی الحیر ان میں بھی چھپا۔ فروری 1979

5 غزل۔ اعتراف نمبر۔ نومبر، دسمبر 1978

6 "ستا ذ تصویر به لیدلو" (تیری تصویر دیکھنے پر)۔ نظم۔ یہ نظم "سباؤن" شعری مجموعہ میں چھپی ہے۔ اعتراف نمبر نومبر، دسمبر 1978

7 "شله محیدره" (لنگڑی لومڑی) بچوں کا صفحہ۔ قلندر صاحب کے کتاب "قیصی" انتخاب۔ سلمیٰ شاھین۔ جنوری 1982

8 اخلاق نامہ (تحقیقی اور تنقیدی مقالہ) دسمبر 1982

9 غزل: یہ غزل سباؤن میں چھپی ہے۔ جولائی 1986

10 غزل: یہ غزل "سباؤن" میں چھپی ہے۔ اکتوبر 1995

سہ ماہی جرس کراچی

1 غزل: یہ غزل سہ ماہی "جرس" کراچی کے غزل نمبر میں بھی چھپی ہے۔

2 معز اللہ خان مہمند کے بارے میں چند تاریخی غلطیوں کا ازالہ (تحقیقی اور تنقیدی مقالہ) جنوری۔ مارچ 1991

3 "وسواس" نظم، یہ نظم سباؤن میں نہیں۔ اپریل تا جون 1994

4 وضاحت (نظم) جنوری تا مارچ 1995

5 "فردوس گوش" (نظم) یہ نظم سباؤن میں نہیں۔ جولائی تا ستمبر 1995

6 قلندر کے ساتھ انٹرویو (انٹرویور: حنیف خلیل) جولائی ستمبر 1995

7 غزل: جولائی تا ستمبر 1996۔ یہ غزل سباؤن میں نہیں

8 غزل: یہ غزل سباؤن میں نہیں۔ اپریل تا جون 1997

9 غزل: یہ غزل سباؤن میں نہیں۔ اکتوبر تا ستمبر 1997

10 "ځلنده ستوری" (چمکتے ستارے)

11 جدائی، پلوشہ، جوارگر، نظمیں، جو سباؤن میں نہیں

تماس لورالائی

1 کامل مرحوم اور پنج خزانہ (تحقیقی مقالہ) ملگری لیکوال لورالائی سالگرہ تماس سلسلہ نمبر 2، 1994

پندرہ روزہ تنظیم صوابی

1 آواز (نظم) اردو ترجمہ کے ساتھ فہیم سرحدی۔ کتابی سلسلہ نمبر 2۔ 21 اکتوبر 1992۔ یہ ترجمہ ستمبر تا دسمبر 1995 کے شمارے میں بھی چھپا ہے۔

توریالے پختون (پښتون) (مختلف اہل قلم کے مقالات کا مجموعہ)

1 "پښتو نه ذ خوشحال بخښني" (پشتو کو خوشحال کے تحفے) مقالہ۔ پشتو ٹولنہ کابل افغانستان، 1350ھ

د اولسی ادبی جرگے (جرگې) روداوونه (اولسی ادبی جرگہ کے روداد)

1 26 دسمبر 1952

2 جمعہ 18 دسمبر 1953

3 12 نومبر 1954 (یہ روداد نامکمل اور ساتھ میں آدھا حصہ 5 نومبر 1954ء کی روداد کا لکھا گیا۔

4 19 نومبر 1954۔ یہ روداد بھی نامکمل ہے اور اس کے ساتھ آدھا حصہ 11 نومبر 1954ء کے روداد کا لکھا گیا ہے۔ کیونکہ اس پر صدر اور سیکریٹریوں کے دستخطوں کے نیچے 19 نومبر 1954 کی تاریخ درج ہے۔

5 3 دسمبر 1954ء (یہ روداد بھی نامکمل ہے۔ اس میں بھی آدھا حصہ 26 نومبر 1954 کے روداد کا لکھا گیا ہے کیونکہ صدر اور سیکریٹری کے دستخطوں کے نیچے 3 دسمبر 1954 کی تاریخ درج ہے۔

6 دسمبر 1954

7 24 دسمبر 1954

8 21 جنوری 1955

9 18 فروری 1955

10 7 جولائی 1956

11 14 جولائی 1956

12 اولسی ادبی جرگہ کے تنقیدی اجلاسوں کی روداد سال 1952 سے 1957 ۔ انتخاب ۔ عبدالکافی ادیب ۔ مطبوعات شعادت پشاور ۔ نومبر 1991

رحمان پوهنه

1 رحمان بابا کی تاریخ پیدائش اور وفات (تحقیق، تنقیدی مقالے ۔ رحمان ادبی جرگہ پشاور ۔ 1993

هفت روزه رهبر مردان، پشاور

1 "لیت او لار" (مشعل اور راستہ) اداریہ
2 "ذ لیک دوډ مسئله" (مسئلہ رسم الخط)
3 "ذ نخښې منځ" (هدف) کالم: تماشگیر ۔ قلندر صاحب کا فرضی نام 1957 ۔ جنگ آزادی کہ غدر + (جنگ آزادی کہ غدر) ذ سوودو یا نو ذ ملاتیر (سوودیوں کی ریڑھ کی ہڈی) پاچے پلی داخلہ۔
4 تسلی بخش (افسانہ) یہ افسانہ قلندر صاحب کے پہلے افسانوی مجموعہ میں چھپا ہے ۔ یکم فروری 1957
5 "ذ نخښې منځ" (هدف) "وتل او کول" (گفتار و کردار) + میم زر ماتول زما (سب کچھ میرا) ۔ علی بابا او سلو یخت غلہ (علی بابا اور چالیس چور) یہ کالم 15 فروری 1957 کے شمارے میں دوبارہ چھپ گیا ہے۔
6 "مبارکے" (افسانہ) یہ افسانہ "گجرے" میں چھپا ہے ۔ 8 فروری 1957
7 "لیت او لار"؛ "قاضی او مسلم لیگ (قاضی اور مسلم لیگ) ۔ "یوه گله" (احتجاج) ۔ "نوې بحث" (نیا بحث)
8 "ذ نخښې منځ" (هدف) ۔ "کول ریل" (غور و فکر) ۔ لب بند و چشم بند ۔ فروری 15، 1957
9 "ذ پښتو ادب خپلوشه" (پشتو ادب کی اپنائیت) نثر ۔ طنز و مزاح
10 " هدایت نامه شاعر " ۔ نثر (تکاھیہ خط)
11 "ذ نخښې منځ" ۔ محافظین طبع ورم ۔ دروغ گو را حافظہ نہ باشد + لیک بعد از خرابی بسیار + پکائی کھیر ہو گیا دلیا یکم مارچ 1957
12 "لیت او لار" (مشعل اور راستہ) خوشحال بابا
13 "ذ نخښې منځ" ۔ محافظین ملت طبع ورم + اعتی اعتی فرنت + سبع سیارہ + انجمن اصلاح الصالحین کی ضرورت ۔ 8 مارچ 1957
14 زاہد حسین سے عابد حسین تک
15 "قامه، اولسه زما خپله وطنه" (میرے قوم، وطن اور عوام) یہ نظم "مساوات" میں چھپی ہے ۔ 15 مارچ 1957

16 "ذ نخښي منځ"(حدف)"ذ قلم خاوندان"(اہلِ قلم)۔"دوه کروړه سروړيان"(دو کروڑ سروری)۔"وردی او انسان"(وردی اور انسان)۔"دعزت قيمت"قیمت(عزت کی قیمت)

17 "دوه ملکونه يوه قصه"(رپورتاژ)(دو ممالک ایک کہانی)22مارچ 1957

18 "خطره"یہ نظم"ساز ن"میں چھپی ہے۔

19 "ذ نخښي منځ"(حدف)"ذ اینټو دويم کښت"(اینٹوں کی دوسری قسط)۔"ذ کدوانو گلونه"(کدو کے پھول)شراب الصالحین۔

20 "دوه ملکونه يوه قصه"(دو ممالک ایک کہانی)(رپورتاژ) یکم اپریل 1957

21 "لیت او لار"(مشعل اور راستہ)۔"يو یونټ او باچا خان"(ون یونٹ اور باچا خان)

22 "ذ نخښي منځ"۔(حدف)۔"ذ مودودیانو کنډه"(مودودیوں کا میزان)۔کب مارک سیاست+امریکی وخت ورکو ګې پاکستانی گھڑے(امریکی وقت دکھانے والی پاکستانی گھڑی)

23 "دوه ملکونه يوه قصه"(دو ممالک ایک کہانی)(رپورتاژ) تیسری اور آخری قسط۔18اپریل 1957

24 "ذ نخښي منځ"(حدف)"ذ پاکستان قیمت"(پاکستان کی قیمت)"مر گی امداد"(مردہ امداد)امریکن پاکستانی میوچل لائف انشورنس کمپنی+جماعت اسلامی د پاره نادره موقع(جماعت اسلامی کے لئے نادر موقع)8مئی 1957ء

25 "ذ نخښي منځ"(حدف)"ذ مودودیانو میله"+"بربری امام"+"نمائش کۀ ریا+ایک چھلنی میں کتنے سوراخ۔15جون 1957

26 "لیت او لار"(مشعل اور راستہ)نشاط مل کے مزدوروں کی ہڑتال+درسی کتابوں کا سکینڈل۔29جون 1957

27 میری قوم،وطن اور عوام۔یہ نظم"ساز ن"میں نہیں ہے۔

28 مزدور(نظم)۔یہ"ساز ن"میں شامل ہے۔8جولائی 1957

29 "لیت او لار"(مشعل اور راستہ)انفلوئنزا اور حکومت کا فرض

30 "ذ نخښي منځ"(حدف)یہ مزے شہر کے+چترال تا رود+پاسبان مل گئے

31 نظم۔یہ نظم"ساز ن"میں شامل ہے۔17جولائی 1957

32 "لیت او لار"(مشعل اور راستہ)۔سہروردی کے ارشادات

33 غزل۔یہ غزل"ساز ن"میں شامل ہے۔24جولائی 1957

34 "لیت او لار"(مشعل اور راستہ)۔شرم کرنی چاہیئے+پاکستان نیشنل عوامی پارٹی+خطرناک رجحان

35 غزل۔یہ غزل"ساز ن"میں چھپی ہے۔

36 "ذ نخښي منځ"(حدف)ڈاکخانہ خاص+قیوم اینڈ کمپنی الیکشن ہولڈر+رشید البیان۔31جولائی 1957

37 "لیت او لار" (مشعل اور راستہ) کمپلر وار ملازمین کے مطالبات 31 اگست 1957

38 "لیت او لار" (مشعل اور راستہ) یونٹ کا مسئلہ اور انتخابات 23 ستمبر 1957ء

39 "لیت او لار" (مشعل اور راستہ) قبائلی پختونوں کو ووٹ کا حق + ایک خطرناک تجویز

40 خود تنقید (تنقیدی مقالہ) 6 اکتوبر 1957

41 "لیت او لار" (مشعل اور راستہ) اور عوامی احتجاج 10 نومبر 1957

42 جمیلہ فرانس کے ظلم کی نشانی (یہ مضمون ۔ق۔م۔ س یعنی قلندر مومند صاحبزادہ کے نام سے چھپا ہے

43 "نوي جهپ" (نئی لہریں) امیر حمزہ خان شنواری کے ناول پر تبصرہ + پشتو اکیڈیمی کے مطبوعات + منتخبات
خوشحال خان خٹک مع اردو ترجمہ + پشتو مجلہ تبصرہ 31 دسمبر 1957

44 "لیت او لار" (مشعل اور راستہ) فوج اور سمگلنگ

45 "د نخښې منځ" (ھدف)

46 "زلمو ته" (نوجوانوں کے نام) یہ نظم "سباؤن" میں نہیں۔ 10 مارچ 1958

47 "خسن" (نظم) یہ نظم سباؤن میں چھپی ہے۔ 25 مئی 1958

48 چوہدری محمد علی + پاکستان میں سازشی سیاست کا بانی۔ حصہ اول ق م ۔ 12 جولائی 1958

49 ایضاً دوسرا حصہ ۔ 19 جولائی 1958ء

50 "سپوږمی" (چاند) بچوں کے لئے نظم 12 اگست 1958

51 "ما او پېژنې" (مجھے پہچانو) نثر

52 "د نخښې منځ نوې گلجری" (ھدف نئی اھداف) قبر چونہ گچ اور مردہ کافر ۔ 20 اگست 1958

53 پشتون کیا کریں؟ ق۔م (نثر) 10 ستمبر 1958ء

54 پیغام (مہدی شاہ باچا کے نام خط ۔ اس وقت قلندر مومند "لار" نامی رسالے کے ایڈیٹر تھے

55 غزل

56 "کروږمی" (دھندکا) افسانہ ۔ سالنامہ نمبر 12 فروری 1959

57 غزل۔

ژوند

یہ قلندر مومند کا ذاتی رسالہ تھا اور سعد اللہ جان برق ان کے معاون تھے ۔ غنچہ جلد 11 شمارہ 9،83 اپریل 1971 ۔ اس کے ٹائٹل پر قلندر صاحب کی تصویر کے نیچے یہ کیپشن لکھا ہوا ہے۔
"قلندر مومند د ژوند مدیر" (قلندر مومند زندگی کے مدیر)

"د ژبو مور" سیمزین دوساله پشاور

1۔(ام زبان) مقالہ۔ انجینیرنگ یونیورسٹی 71-1970۔ صرف شرفاء کے لئے (افسانہ)
صرف شرفاء کے لئے (افسانہ) اردو ترجمہ۔ قیوم مروت۔ گلشن ادب پبلیکیشنز لاہور 1997

"غازی" ہفت روزہ پشاور، ڈیرہ اسماعیل خان

قلندر مومند سے انٹرویو (انٹرویور۔ لطیف وہمی۔ گل محمد بیتاب، ڈاکٹر اسرار) 28 نومبر 1991

"غنچہ" ہفت روزہ پشاور

1 غزل۔ یکم نومبر 1960۔ یہ غزل سباؤن میں چھپی ہے۔
2 تنقیدی محفل (رائیٹرز گلڈ کی پشتو) پہلی تنقیدی نشست کی روداد یکم جنوری 1961 (اس روداد کا اردو ترجمہ یکم فروری 1961 کے شمارے میں چھپا ہے
3 دوسرا تنقیدی اجلاس۔ رائیٹرز گلڈ پشتو پشاور 15 جنوری 1961
4 غزل۔ 22 جنوری 1961 یہ غزل رہبر اور غنچہ میں ایک جیسا چھپا ہے۔
5 رائیٹرز گلڈ پشتو کا تیسرا اجلاس 22 جنوری 1961
6 ایضاً چوتھا اور پانچواں اجلاس 15 فروری 1961
7 ایضاً چھٹا اور ساتواں اجلاس 22 فروری 1961
8 "گلدستہ" (نظم) یہ نظم "سباؤن" میں نہیں۔ اپریل 1961
9 پشتو زبان کی پیش رفت + رجحانات اور مسائل + بعض غلط فہمیوں کا ازالہ 18 اپریل 1961
10 رحمان بابا اور ان کی رجائیت۔ بشکریہ روزنامہ "شہباز" 22 فروری 1970
11 ملک دشمن کون؟

ماہنامہ "قند" مردان

1 غزل۔ پہلی جلد، پہلا شمارہ نومبر 1957
2 "ستا ذ تصویر به لیدو" (تیری تصویر دیکھنے پر) (نظم) مارچ 1955 یہ نظم سباؤن میں چھپی ہے۔
3 رومال (نظم) مارچ 1958
4 "مختصره افسانه" (مختصر افسانہ) مقالہ جلد نمبر 2 شمارہ 3 جنوری، فروری، 1959

5 غزل۔ جولائی اگست، 1959

6 "ذ علی خان په حقله" (علی خان کے بارے میں) (مقالہ) اور نتانی۔ جنوری، فروری 1972

7 سخن ہائے گفتنی۔ جلد نمبر 1 شمارہ 6 مارچ 1972

ہفت روزہ "قیادت" مردان

1 کاکاجی صنوبر حسین کی پہلی گرفتاری پر نظم۔ یہ نظم ساؤن سے لی گئی ہے۔

2 "ساندہ" (نوحہ) نظم۔ کاکاجی صنوبر حسین کی وفات کے موقع پر جلد نمبر 28 شمارہ نمبر 50، 24 تا 31 دسمبر 1978

3 "ذ دنیا مشال": یہ نظم بھی ساؤن سے لی گئی ہے۔ جلد نمبر 29 شمارہ نمبر 52-51۔ یکم تا 15 جنوری 1968

ماہنامہ "گلستان" (گلستان) کوئٹہ

1 "ذ رحمان باباب رجائیت" (رحمان بابا اور ان کی رجائیت) (مقالہ) پہلا سال شمارہ جنوری 1957

ماہنامہ "لار" پشاور

1 غزل۔ اگست 1956۔ یہ غزل ساؤن سے لیا گیا ہے۔

2 فن اور مقصد (مقالہ) دوسرا سال، پہلا شمارہ جنوری 1957

3 نعرہ (نظم) یہ نظم ساؤن میں نہیں۔ یکم جولائی 1957۔ اب دوسری بار ھمیش خلیل نے اپنی کتاب "حقیقت دا دے" (حقیقت یہ ہے) میں شائع کی ہے

4 اداریہ (مشال)

5 "زۂ تنقید خو بہ کوومہ" (میں تنقید تو کروں گا)۔ یہ نظم "ساؤن" میں شامل ہے۔ "تنقید" اگست۔ ستمبر 1958

6 "مارکسی تنقید" یہ مقالہ قلندر مومند نے اپنے بھائی "سعید مومند" کے نام سے لکھا تھا۔ تنقید نمبر اگست، ستمبر 1958

7 "لاروے" (راہی)۔ "کرنیے" (لکیریں) عبدالحق نسیم۔ امیر فروش عاصی۔ فروری 1959 "مشال" اداریہ۔ رجحان نمبر جلد: 3 اگست 1959۔ "لار" کے جتنے شمارے نکلے ہیں ان میں قلندر صاحب نے "مشال" کے نام سے اداریے لکھے ہیں۔

ماہنامہ "لیکوال" پشاور

1 پیغام مدیر کے نام

2 غزل۔ سالنامہ نمبر مارچ 1993

سہ ماہی ''مرکہ'' کتابی سلسلہ مردان

1. عبدالقادر خان خٹک کی شاعری (مقالہ) نومبر 1989
2. ادب میں شخصیت (مقالہ) مقالہ نمبر جنوری 1990
3. غزل۔ غزل نمبر جون 1990
4. عالمی ضمیر کے نام (نظم) مارچ 1991
5. (تحقیق اور تنقیدی مقالہ) خاکہ نمبر 22 جون 1992
6. تنقیدی روداد (اولسی ادبی جرگہ) حمزہ نمبر۔ اپریل 1996
7. "مرکہ نامہ" (قلندر مومند سے انٹرویو۔ انٹرویورز۔ عارف اللہ۔ نسیم خان نسیم

ماہنامہ ''ناموس'' مردان

1. غزل۔ یہ غزل سباؤن میں نہیں
2. خط۔ پیغام۔ مدیر کے نام۔ تیسرا شمارہ۔ جون 1989

ماہنامہ ''ننگیالے'' (ننگیالے) پشاور

1. فن اور اخلاق (مقالہ) جولائی 1957 اس مقالے کے آخر میں قلندر صاحب کے مقالات کے مجموعے "میزان" زیرِ ترتیب کا ایک چوکٹہ بھی لگا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ ابھی تک یہ مجموعہ ترتیب نہ ہو سکا۔

"وحدت" پشاور

1. "صدرالدین عینی ایک تاجک ادیب" (مقالہ) سالِ تحریر 1950۔ دوبارہ پریشان داوودزئی نے شائع کیا۔
2. "حاشم بابا اپنے فن کے آئینے میں"
3. "ورک موندلی کښې څۀ موندلی" (مقالہ)۔ ترتیب اقبال حسین افکار، پشتو ادبی سوسائٹی اسلام آباد 1989 اس اخبار میں قلندر مومند نے "ذ نخښې منځ (حدف) کے عنوان سے "تماشگیر" (تماشبین) کے فرضی نام سے بہت سے کالم شائع کئے۔

ہفت روزہ ''میواند'' پشاور

1. "ورک زوئي څنګه پيدا شو" (گم شدہ بیٹا کیسے پیدا ہوا) مقالہ بروز پیر 16 ستمبر 1985
2. وضاحت۔ 12۔ مئی 1986

3 معذرت۔ 11 جنوری 1988

4 مرثیہ۔ (باچا خان کی وفات پر) 25 جنوری 1988

5 چار مرثیے باچا خان کی وفات پر، 1 فروری 1988 اور بہت سارے اداریئے، کیونکہ قلندر مومند عیواد میں اداریئے بھی لکھتے رہتے تھے۔ 6 فروری 1989 تا 31 اکتوبر 1989

ہفت روزہ "جمہوریت" پشاور

1 "فن اور اخلاق" (مقالہ) روزنامہ میدان پشاور۔ پیغام۔ 26 دسمبر 1997

نوٹ: ان منظوم اور نثری اثاروں کے علاوہ قلندر صاحب نے اردو میں اجمل خٹک، ایوب صابر، احمد فراز، پروین شاکر پر بھی مضامین اور تاثرات لکھے ہیں جو اردو کتابوں کوہاٹ کے احمد پراچہ کے مرتب شدہ میں شامل ہیں۔

قلندر مومند اور ان کی تحریروں پر ان کے معاصرین کی تحریریں

قلندر مومند ابتداء ہی سے اپنے ہم عصروں میں ممتاز و مقبول اور ہر دلعزیز شخصیت رہے اور یہ ان کی خاصیت رہی ہے کہ پشتو ادبی تاریخ میں ہر جگہ انہوں نے اپنے فکر و فن کے سبب خود کو منفرد ثابت کیا ہے۔
انہوں نے زندگی کی جو راہ متعین کی اور اس پر عمل کرنے کے لئے جو اصول اپنائے اس پر چلنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں اور یہی وجہ ہے کہ زندگی کی اس راہ میں بہت سے دوستوں نے ان کا ساتھ چھوڑا۔ لیکن پھر بھی یہ ان کی خوش قسمتی رہی کہ رب ذوالجلال نے انہیں ایسے دوست بھی عطا کئے کہ انہوں نے دل کی گہرائیوں سے انہیں چاہا اور تعریف کی۔ قلندر صاحب کو اگر ایک جانب ان کی بعض تحریروں کیوجہ سے ان کے ناقدین کی تنقید کا سامنا کرنا پڑا اور ان کی ذات متنازعہ ٹھہری تو دوسری جانب ان کے دوستوں نے بھی ان کی حمایت میں لکھ کر حق دوستی ادا کیا۔
اپنے تحقیق کے آخر اور چوتھے حصے میں ان تحریروں کا اجمالی خاکہ پیش کرتا ہوں جو وقتاً فوقتاً قلندر صاحب کی زندگی، شخصیت، فن، حق یا مخالفت میں لکھے گئے اور کتابوں، رسالوں میں چھپے۔

قلندر مومند پر چھپے مضامین

1 میری نظر میں قلندر مومند (کچلے، پسے اور مظلوم عوام کے دل کی آواز) لطیف وہمی ہفت روزہ رہبر مردان۔ پشاور 15 جون 1957

2. قلندر مومند کے نام (نظم) ایوب صابر، یہ منظوم خط صابر صاحب کے شعری مجموعہ (خونِ جگر میں شامل ہے۔ رہبر 31 اگست 1957
3. "کرښې" (لکیریں) قلندر مومند۔ قمر راہی۔ ماہنامہ قند مردان نومبر 1957
4. حبیب الرحمان قلندر مومند (مختصر تذکرہ) ہمیش خلیل۔ پښتانه لیکوال (پشتون اہل قلم) پہلا ایڈیشن 1957
5. قلندر مومند اور تجربے (تبصرہ) ایاز داؤد زئی۔ قند۔ جنوری، فروری 1960
6. قلندر کی بادشاہ گردی (خاکہ) ڈاکٹر محمد اعظم اعظم غنچہ پشاور۔ غالباً 61-1960 اعظم صاحب کے بیان کے مطابق
7. " پټ خزانه انصاف کے ترازو میں" (مقالہ) سیال کاکڑ۔ ماہنامہ اولس کوئٹہ جون 1976
8. "تجربې" (تجربے) (تبصرہ اور تنقید) ڈاکٹر محمد اعظم اعظم۔ پشتو افسانہ تحقیق و تنقید، پشتو افسانہ آزادی کے بعد، جولائی 1976۔ عظیم پبلشنگ ہاؤس پشاور
9. "هغه قلندر درته یاراتو یادووم" (مقالہ) مجید اللہ خلیل پشتو اعتراف نمبر نومبر، دسمبر 1978
10. قلندر مومند کے نام (منظوم خط) ایوب صابر۔ ماہنامہ پشتو اعتراف نمبر۔ نومبر۔ دسمبر 1978
11. (خصوصی مقالہ پہلا حصہ) ہمیش خلیل، ماہنامہ پشتو، دسمبر 1979
12. ایضاً دوسرا حصہ ماہنامہ "پښتو" "خوشحال نمبر مارچ، مئی 1980
13. اعتراض نامہ کے جواب میں (مقالہ) ہمیش خلیل۔ ماہنامہ پشتو، دسمبر 1979
14. اخلاق نامہ پر اختلاف نامہ (مقالہ) حبیب اللہ رفیع، ماہنامہ پشتو جولائی 1983
15. یک نہ شد دو شد (مقالہ) سلیم راز۔ ماہنامہ پشتو، اکتوبر 1983
16. اخلاق نامہ فی المیزان (مقالہ) صفدر حسین۔ ماہنامہ پشتو۔ نومبر 1983
17. اخلاق نامہ (مقالہ) سرفراز خان عقاب خٹک۔ ماہنامہ پشتو۔ جنوری 1984
18. عقاب خٹک کے نام (مقالہ) سلیم راز۔ ماہنامہ پشتو۔ مئی 1984
19. کلیات رحمان بابا (تبصرہ) ہمیش خلیل ماہنامہ پشتو۔ اگست 1984
20. قلندر مومند کے نام (نظم) اجمل خٹک۔ گل پرهر۔ طبع کابل 1985 یہ نظم گل پرهر کے دوسرا ایڈیشن پشاور 1990
21. "ورورہ قلندرہ" (بھائی قلندر) (نظم) غنی خان۔ کلیات غنی۔ طبع کابل۔ 1986
22. قلندر مومند کی شادی کی تاریخ (نظم) "سلگې" امیر حمزہ خان شنواری 1989
23. "ذ پټې خزانې میزان رښتیا میزان دے" (مقالات کا مجموعہ) آصف صمیم۔ زرین انزور 1990
24. "پټه خزانه" (پوشیدہ خزانہ) اعتراضات اور جوابات، پروفیسر حمید اللہ۔ دو ماہی "سپیدی" پشاور۔ جلد دوئم شمارہ 3 1990۔

25 " دگجرو شرنگ" (گجروں کی جھنکار) (مقالہ) محمد زبیر حسرت۔ ''مرکہ'' مردان۔ مارچ 1990

26 پوشیدہ خزانہ فی الحیز ان پر ایک نظر۔ (مقالہ) محمد معصوم ہوتک۔ ''سپیدی'' پشاور جولائی اگست 1991

27 پوشیدہ خزانہ ایک ناقابل تردید حقیقت (مقالہ) عبدالکریم بریالے۔ سپیدی۔ پشاور، جنوری، فروری 1992

28 پوشیدہ خزانہ فی الحیز ان (نظم) گل محمد بیتاب۔ لیکوال پشاور۔ شمارہ نمبر 5، جولائی 1992

29 خیر البیان اور تیسری قرات (خیر البیان کا تنقیدی مطالعہ نقاد کی نظر میں) ۔ محمد معصوم ہوتک۔ سپیدی پشاور، جولائی۔ اگست 1992ء

30 قلندر مومند کی غزل (مقالہ) محمد زبیر حسرت۔ جرس۔ کراچی۔ جولائی۔ ستمبر 1992

31 سیمینار۔ (قلندر مومند، پیر محمد کاکڑ کے متعلق مقالات اور نظموں کا مجموعہ۔ مرتبین: عمر گل عسکر، خلیل باور، ۔ مسلگری لیکوال کوئٹہ 1992۔

اس کتاب میں قلندر صاحب کے حوالے سے درج ذیل مقالات اور نظمیں شامل ہیں۔

1	"ذ گجرو خالق" (گجرے کا خالق)	طاہر آفریدی
2	"گل پہ چنارونو" (پھول چناروں پر)	م۔ ر۔ شفق
3	"ژوندے هجری" (زندہ ہجری)	روخان یوسفزئی
4	"ذ قلندر غزل" (قلندر کی غزل)	سید محمود ظفر
5	"قلندر قلندر دے" (قلندر قلندر ہے)	سعید گوہر
6	"ذ گجرو شرنگ" (گجروں کی جھنکار)	محمد زبیر حسرت
7	خراج عقیدت (نظم)	حسینہ گل
8	"ذ خپل دور بایزید" (اپنے دور کا بایزید)	ریاض تسنیم

اس مجموعے کے آخر میں قلندر صاحب کے تاثرات بھی شامل ہیں۔

32 کلیات رحمان بابا (تبصرہ) ڈاکٹر راج ولی شاہ خٹک، ماہنامہ ''مرام'' مردان۔ جلد نمبر 1 شمارہ 9، مارچ 1993

33 قلندر کی عظیم شخصیت کو بطور سوغات۔ مردان سے مردان تک 1953 "ذ ادبی دوستانو مرکہ"

34 گجروں کی جھنکار (پشتو مقالے کا اردو ترجمہ) محمد زبیر حسرت سہ ماہی ادبیات۔ اکادمی ادبیات پاکستان اسلام آباد

35 مرحوم کامل مومند اور پوشیدہ خزانہ (مقالہ) ذ لے حیوادل۔ ''تماس'' لورالائی، تیسرا شمارہ 1994

36 "قلندر مومند فن او شخصیت" (قلندر مومند کی زندگی، فن اور شخصیت پر مختلف مقالات اور نظموں کا مجموعہ۔ مرتب م۔ر۔ شفق۔ پشتو ادبی سوسائٹی اسلام آباد.

اس کتاب میں قلندر مومند کے حوالے سے جو مقالات اور منظومات شامل ہیں ان کی ترتیب کچھ اس طرح سے ہے:

1۔ کرښې (لکیریں) قمر راہی

2۔قلندر مومند (مقالہ) سید تقویم الحق

3."قلندر مومند" (مقالہ) ڈاکٹر محمد قاسم مظہر

4."قلندر مومند او کنجري" (مقالہ) ایاز داؤدزئے

5."قلندر مومند د افسانه نګار په حېث" (مقالہ) پروفیسر اسرائیل اشنا

6."ذ سبا ذن په حواله" (مقالہ) م۔ر۔ شفق

7."ذ قلندر غزل" (مقالہ) یار محمد مغموم

8."ذ قلندر صحافت" (مقالہ) سلطان محمد صابر

9. قلندر په حېثیت د استاد (مقالہ) سید محمود ظفر

10. د پښتو ژبې محسن (پشتو زبان کا محسن) (مقالہ) عبدالہادی ملیار

11. ښېرازه قلندر (شاداب قلندر) (مقالہ) وزیر محمد حسرت

12. د خبرو د اقلیم باچا (باتوں کے اقلیم کا بادشاہ) (مقالہ) رومان ساغر

13. قلندر مومند سره یوه مرکه (قلندر مومند کے ساتھ انٹرویو) عبدالغنی خٹک

(نظمیں) اجمل خٹک، ایوب صابر، غنی خان، عبدالجبار حامد، شبنم تاجی (اردو نظم) اور محمد زبیر حسرت

37 "کلپانی "۔ قلندر مومند فن اور شخصیت (تبصرہ) محمد زبیر حسرت۔ پندرہ روزہ "تنظیم" اردو اپشتو۔ یکم مئی تا 15 مئی 1994

38 سیکنڈ ٹوٹن (خاکے) محمد زبیر حسرت (جرس) کراچی۔ جولائی تا ستمبر 1994

39 کامل مرحوم کی نظر میں پوشیدہ خزانے کی اہمیت (مقالے) مشتاق مجروح یوسفزئی (تماس) کراچی۔ جنوری تا مارچ 1995

40 ابوالقاسم کے بارے میں (مقالہ) پروفیسر محمد ھمایون ھما (جرس) کراچی۔ جنوری تا مارچ 1995

41 انگرائیزم کے متعلق (مقالہ) ھمیش خلیل۔ (جرس) کراچی۔ جولائی تا ستمبر 1996

42 قلندر مومند ایک تعارف (محمد زبیر حسرت) "تنظیم" اگست۔ ستمبر 1996

43 پوشیدہ خزانے کے کافی پہلو (مقالہ) حنیف خلیل۔ (جرس) کراچی۔ اکتوبر تا دسمبر 1996

44 شمشاد (محمد ہوتک کا خاص نمبر) مختلف مقالات کا مجموعہ 1996 اس شمارے میں قلندر مومند کے حوالے سے جو مقالات در جواب آں غزل کے مصداق شامل ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

1	مقالہ------	عبدالشکور رشاد
2	پوشیدہ خزانہ فی المیزان تنقید کے ترازو میں	محمد صدیق روہی
3	انکرازم	ھمیش خلیل
4	پوشیدہ خزانہ اور سرحد کے پشتون	زلے حیوادل
5	پوشیدہ خزانے پر جدیدیت کے الزامات	عبدالکریم بریالے
6	(خ) لفظ کا تاریخی پس منظر۔	محمد معصوم ہوتک

" د شمشاد خاصه گڼه" تحقیق او تنقید

شمشاد کا خاص شمارہ۔ تحقیق اور تنقید کے نام سے محمد زبیر حسرت نے مذکورہ شمارے کے جواب میں کتابی صورت میں شائع کروائی۔ مرکہ پبلی کیشنز میر افضل خان بازار مردان مارچ 2002 / ذی الحجہ ۱۴۲۲ ھ

45 انکرازم (مقالہ) محمد زبیر حسرت۔ جرس کراچی۔ جنوری تا مارچ 1997

46 قلندر مومند ادبی کانفرنس (رپورتاژ عبدالرؤف عارف) جرس کراچی۔ جولائی تا ستمبر 1997

47 ھذا ما کنزتم (نقد) مشتاق مجروح یوسفزئی۔ ان مقالات کا مجموعہ جو قلندر صاحب اور ھمیش خلیل صاحب کی کتابوں کی بنیاد پر ھمیش خلیل صاحب نے جوابی طور پر لکھے تھے۔ نومبر 1997

48 بایزید انصاری، خیرالبیان اور قلندر مومند۔ مقدمہ۔ سلطان روم۔ پشتو مارچ۔ اپریل 1997

49 "په تله کښې بارسنګ، سید محمود ظفر (پوشیدہ خزانہ فی المیزان کے حق میں اور تول بارسنگ کے رد میں لکھی گئی کتاب ہے۔ جون 1996

50 کتابیں: حبیب اللہ رفیع (مقالات کا مجموعہ) 1997۔ اس مجموعے میں قلندر صاحب کے جواب میں لکھے گئے مقالات بھی شامل ہیں۔

1۔ اخلاق نامہ پر اختلاف نامہ

2۔ محمدی صاحبزادہ کے دیوان پر ایک نظر (یہ الگ کتابچہ بھی ہے)

قلندر مومند کی تحریروں اور ان کے ہم عصروں کی تحریروں کی جو فہرست میں نے اس مقالے میں پیش کی ہے یہ حرف آخر نہیں بلکہ یہ بھی ایک کوشش ہے۔

اس مقالے کے بکھرے اجزاء کے اکٹھا کرنے میں پشتو اکیڈیمی کے لائبریرین حاجی منظور خان مروت، ان کے نائب وسیم، محترم ھمیش خلیل، محترم رافع گل خٹک اکوڑہ خٹک، محترم فرھاد، محمد غالب ترین خویشکی، عبداللہ جان عابد، فیض الوہاب فیض اور عبدالرؤف عارف کا ممنون ہوں۔

قلندر مومند کا شعری سفر

(سبا ون سے رنڑائی تک)

(1)سباؤن

قلندر مومند کے ساتھ میری پہچان اس وقت ہوئی جب میں نے انکا شعری مجموعہ "سباؤن" پڑھا۔ ان دنوں مرحوم امیر حمزہ بابا کوئٹہ تشریف لائے تھے۔ وہ بھی قلندر مومند کی شان میں رطب اللسان رہتے تھے۔ اور یہ بات ان کی زبانی معلوم ہوئی کہ اللہ تعالی نے قلندر مومند کو بے نظیر حافظہ عطا کیا ہے۔ اور یہ کہ وہ پشتو، اردو، فارسی اور انگریزی کے علاوہ عربی زبان پر بھی اچھا خاصا عبور رکھتے ہیں۔ ''سباؤن'' کی اشاعت کی خوشخبری بھی مجھے حمزہ شنواری صاحب نے دی تھی۔ جو نظموں اور غزلوں پر مشتمل ہے۔ اس مجموعے کے حوالے سے قلندر صاحب کی شاعری بنیادی طور پر انقلاب اور مزاحمت کی شاعری ہے۔ جو ہر شاعر کے بس کا روگ نہیں۔ قلندر مومند نے غزل کے نازک آبگینے میں بھی انقلاب اور مزاحمت کی باتیں فنی مہارت اور نہایت سلیقہ شعاری سے سمودی ہیں۔ غزل کے حوالے سے اپنے تخلیقی تجربات کے بارے میں فرماتے ہیں۔

دا مې نصيب دې نۀ بدلېږي د ازل تورې دي
زړۀ کښې مې اور دے او په خلۀ مې د غزل تورې دي

ترجمہ:

یہ میرا نصیب ہی ہے ، ازل کا لکھا بدلتا نہیں
دل میں آگ لگی ہے اور لب پر غزل کے مصرعے گنگنا رہے ہیں"

جس شاعر کے دل میں یہ آگ لگی ہو وہ ہر طرح کی شاعری کرسکتا ہے اور غزل کی شاعری میں تو بطور خاص کمال تک پہنچ سکتا ہے کیونکہ دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔ "سباؤن" کی زیادہ تر شاعری جذبے کی شاعری ہے۔ اس میں وہ کچھ ہے جو شاعر نے شدت کے ساتھ محسوس کیا ہے۔ قلندر کی شاعری میں جو آہیں اور آنسو ہیں وہ کسی اداکار کی آہیں اور آنسو نہیں ہیں بلکہ ہر آہ اور آنسو کے پیچھے دکھی دل کی

پوری داستان موجود ہے۔ جس شاعری میں بھی ایسی آہیں اور آنسو ہوتے ہیں وہ دردناک بھی ہیں اور لذت ناک بھی اور کمال کی بات یہ ہے کہ ہمارے اس شاعر کی دردناک شاعری ناامیدی پیدا نہیں کرتی بلکہ انسان کا حوصلہ بڑھاتی ہے اور درد برداشت کرنے کی ہمت دیتی ہے۔

گلستان کۀ مې په وینو تازه کیږی
هر ازغے دې هم زما په زړۀ کښې مات شی

ترجمہ:

گلستان کی تازگی اگر میرے خون کی محتاج ہے
تو ہر کانٹا میرے ہی دل میں چبھ جائے

تۀ ازغی کره زما او د گل منځ کښې
زۀ به لاره قدم نۀ پړدمه سینه پړدم

ترجمہ:

تم میرے اور محبوب کے درمیان کانٹے بو دو
میں قدم کی بجائے راستے پر سینہ رکھ کر آگے بڑھوں گا۔

یہ دو شعر نہ صرف غزل کی شاعری کا بہترین نمونہ ہیں بلکہ سچائی اور صداقت کے آئینہ دار بھی ہیں۔ مطلب یہ کہ قلندر شعراء کے اس طبقے میں شامل نہیں جو صرف گفتار کے غازی کہلاتے ہیں بلکہ انہوں نے جو کچھ کہا ہے وہ کر دکھایا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ انہوں نے گلستان کی تازگی کے لئے بہت سے کانٹے اپنے دل میں چبھوئے ہیں۔ پھول تک پہنچنے کے لئے کئی بار اپنا سینہ کانٹوں پر گھسیٹا ہے اور لاہور کے شاہی قلعے جیسا عقوبت خانہ بھی دیکھ چکے ہیں۔

کہا جاسکتا ہے کہ محترم قلندر مومند ایک شاعر ہے اور عام زندگی میں اپنی افتادِ طبع نے انہیں کافی نقصان پہنچایا ہے لیکن بحیثیت شاعر میں اسے ان کی قوت سمجھتا ہوں۔ غنی خان نے کہا ہے کہ شاعر کی مثال ایک ایسے حیوان کی ہے جس کے جسم سے کھال اتاری گئی ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ زیادہ حساس ہوتا ہے اور معمولی بات بھی اتنی شدت کے ساتھ محسوس کرتا ہے کہ اس کا دل آئینے کی طرح صاف وشفاف ہوتا ہے اور معمولی گرد بھی اس پر صاف دکھائی دیتی ہے۔

جس طرح قلندر مومند نے شاعری اپنے لوگوں اور اپنی مٹی کے لئے کی ہے اور ببانگ دہل کہا ہے "سوائے پختونخوا کے دوسری جانب میری نظر نہیں جاتی." ، "پختونخوا" کی خاطر انہوں نے عملی طور پر بہت قربانیاں دی ہیں اور دوسری جانب ان کی نوک قلم سے "میں تنقید تو کروں گا"، "قوم، وطن، میرے عوام"، "ایبٹ آباد"، حسین، کاکاجی، خیبر کے نام، اسلم شہید جیسی لازوال نظمیں نکلی ہیں۔ قلندر

مومند اس حوالے سے آفاقی شاعر بھی ہے کہ دنیا میں جس کسی نے بھی اپنے حق کے لئے آواز اٹھائی ہے تو اس سے استفادہ کیا ہے۔ وہ ان شعراء میں سے ہیں کہ سامراج پر دنیا کے کسی کونے میں جس کسی نے بھی ضرب لگائی ہے تو اس کے دل کو تسکین ملی ہے اور اس مست ہاتھی کے پاؤں تلے جو بھی کچلا گیا تو قلندر چیخ اٹھا ہے۔

مزاحمتی نظموں سے قطع نظر "ساوون" میں رومال، آواز، ایک تصویر دیکھنے پر، گیتوں کی شہزادی، گلاب کا پھول اور آئینہ جیسی نظمیں شامل ہیں جنہیں ہم خالص شاعری کہہ سکتے ہیں۔ یہ تمام نظمیں فن اور شعریت کے اعتبار سے اتنی خوبصورت ہیں جو ایک الگ تبصرے کے متقاضی ہیں لیکن بات لمبی ہو جائے گی۔

ایک نظم جس کا عنوان "آئینہ" ہے کی طرف آپ لوگوں کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ آئینہ میں قلندر صاحب کی شاعری میں مزاحمت کے ساتھ ساتھ محبت بھی ملتی ہے اور خیال سے زیادہ اس میں جذبے کی شاعری ہے۔ اس میں ایک رنگین عکس دکھائی دیتا ہے۔ یہ نظم محبت کی نظم ہے اور شاعر کے دلی کیفیت کا اظہار ہے۔ یہ دل ایک ایسے آئینے کی مانند ہے جس میں محبوب کے عکس اور محبت کے رنگین نقش جمع ہیں اور شاعر کا تمام سرمایہ ہی یہی عکس اور نقش ہیں لیکن محبوب بے وفا ہے اس لئے وہ اس آئینے کو توڑ دینا چاہتا ہے گویا اپنے عاشق کو حسن اور محبت کی دولت سے محروم کرنا چاہتا ہے لیکن ہمارا شاعر ایک روایتی عاشق کی طرح اس کے آگے آہ و زاری نہیں کرتا۔ دوٹوک الفاظ میں کہتا ہے

کهٔ رښتيا ماتول غواړې
دا دې مات نې کړه تيار يم
زما ياد هېرول غواړې
زړهٔ مې مات کړه چې خوشحال شې
چې شادانه شې نهال شې
هسې نه چرته ملال شې

ترجمہ:

اگر واقعی توڑنا چاہتے ہو
تو بے شک توڑ دو میں سہنے کے لئے تیار ہوں
اگر میری یاد بھلانا چاہتے ہو
تو میرا دل توڑ دو اور خوشی مناؤ
تا کہ تم خوش رہو نہال رہو

اور تمہیں کہیں ملال نہ ہو

اس بند کے آخری مصرعے سے قلندر صاحب کی شاعری کے دوسرے پہلو کی عکاسی ہوتی ہے۔ یہ پہلو مزاحمت کا پہلو ہے۔ میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ "سباؤن" کی شاعری مزاحمت کی شاعری ہے لیکن یہاں مزاحمت کسی غاصب کے مقابلے میں نہیں بلکہ محبوب کے مقابلے میں ہے اور اسے خبردار کرتا ہے کہ میرا دل توڑ تو دو گے لیکن میری زندگی کا اثاثہ پھر بھی مجھ سے نہ چھین سکو گے۔ مزاحمت کی یہ بات جس انداز سے نظم کے آخری بند میں اختتام کو پہنچتی ہے وہ نہ صرف جدید اور دلنشیں انداز ہے بلکہ حقیقت کے قریب تر ہے۔ مزاحمت کی راہ میں جو کوئی بھی خلوص اور سچا عزم رکھتا ہے اسے کوئی بھی جبر کے ذریعے اپنے راستے سے ہٹا نہیں سکتا بلکہ جبر اس کی قوت بڑھا دیتا ہے۔

چې مې زړهٔ ذرې ذرې شي
او مقصد دې پوره نهٔ شي
هسې نه چې ذ زړګوټي
په جدا جدا ټکړه کښې
هره نیمه شان ذره کښې
ستا یادونه راښکاره شي
ستا عکسونه راښکاره شي

ترجمہ:

جب میرا دل چکنا چور ہو جائے
اور پھر بھی تمہارا مقصد پورا نہ ہو
ایسا نہ ہو کہ دل کے
ہر ایک ٹکڑے میں
ہر ذرے میں
تمہاری یادیں آشکارا ہو جائیں
تمہارے عکس آشکارا ہو جائیں

محبت اور مزاحمت سے قطع نظر یہ نظم قلندر مومند کی عمدہ تخلیق ہے۔ ان کی شاعری دل کی گہرائیوں سے تخلیق پاتی ہے یا دوسرے لفظوں میں شاعر کے دل پر چوٹ لگی ہو اور اس چوٹ کے نتیجے میں جو فن پارہ وجود میں آتا ہے وہ حقیقت میں ایسا ٹکڑا ہوتا ہے جو شاعر کے دل کے آئینے سے جدا ہوتا ہے اور اس میں وہ نقش، عکس اور ارمانیں جلوہ نما ہوتی ہیں جو شاعر کے دل میں پڑی رہتی ہیں۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں

کہ "سباؤن" کی ہر نظم ہر غزل قلندر صاحب کے دل کے آئینے کا ایک ٹکڑا ہے اور ان ٹکڑوں میں سے کسی میں محبوب کے عکس اور یادیں دکھائی دیتی ہیں تو کسی میں وطن کی محبت اور خود مختاری کی خواہش۔ جو کوئی بھی ان فن پاروں کا مطالعہ کرتا ہے اس کے دل میں یہی عکس اور خواہشات منتقل ہو جاتے ہیں اور اس طرح ایک چراغ سے دوسرا چراغ روشن ہو کر اندھیروں کے خلاف لشکر بڑھتا جائے گا۔ اللہ کرے اجالوں کا لشکر تاریکیوں پر غالب آ جائے اور شاعر "سباؤن" کے ارمان پورے ہو جائیں اور ہماری قوم کو روشن سحر نصیب ہو جائے، آمین۔

(2) (رنائی) (اجالا)

"رنائی" (اجالا) قلندر مومند کا دوسرا شعری مجموعہ ہے جو ان کی وفات کے بعد پہلی بار 2004 میں قلندر مومند ریسرچ سیل (دور) کی جانب سے ایک ہزار کی تعداد میں چھپ گیا ہے لیکن مقام اشاعت کا پتہ اس پر درج نہیں ہے۔

اس مجموعے میں قلندر صاحب کے اس دور کا (اور کچھ نیا کلام) شامل ہے۔ جس دور کی شاعری "سباؤن" کی ہے بالکل انہی حالات، واقعات، جذبات و کیفیات کی تاثراتی شاعری ہے۔ یہ بھی قلندر مومند کے فکر و فن، مقصدیت اور مزاحمت کی رو سے وہی رنگ رکھتی ہے جو "سباؤن" میں دیکھی اور محسوس کی جا سکتی ہے۔ اگر یہ "سباؤن" (سحر) کی "رنائی" (اجالا) بھی جائے تو بجا اور صحیح بات ہوگی لیکن اس دوسرے مجموعے میں قلندر مومند کی غزل پر داخلیت کے ساتھ خارجیت بھی غالب دکھائی دیتی ہے اور نظم میں موضوعاتی تنوع کے ساتھ ساتھ عقلیت اور دانائی کی شعوری کوشش شدت سے محسوس ہوتی ہے لیکن ایسا بھی نہیں کہ قلندر مومند کی شاعری فنی محاسن یا شعری لوازمات کھو چکی ہے بلکہ "رنائی" میں اس کا تخیل اور تغزل مزید شوخ دکھائی دیتے ہیں اور نظموں کے عمیق تجربات کے ساتھ وقت اور حالات کی فکری نیرنگی صاف دکھائی دیتی ہے۔

"رنائی" "سباؤن" کے فارمیٹ سے مختلف ہے کیونکہ "سباؤن" میں پہلے نظمیں، پھر غزلیں اور اس کے بعد تین چار بچے شامل ہیں لیکن "رنائی" میں غزلیں اور نظمیں مکس چھپی ہیں اور اس میں تاریخ کے تسلسل کا بھی خیال نہیں رکھا گیا ہے بعض غزلوں کے نیچے تو تاریخیں بھی نہیں لکھی گئیں جیسا کہ قلندر مومند کا شیوہ اور طریقہ تھا وہ غزل اور نظم کے نیچے تاریخ درج کرنا ضروری سمجھتے تھے۔

ادب کا اولین مقصد یہ ہے کہ یہ پڑھنے اور سننے والوں کو خوشی اور مسرت بخشتا ہے۔ دوسرا مقصد یہ ہے کہ زندگی کے بارے میں ہماری معلومات میں اضافہ کرتا ہے۔ ہمیں علمیت بخشتا اور ہمیں اپنی ذات اور ماحول کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے لہٰذا کسی نہ کسی شکل میں زندگی سے تعلق کی بنا پر ادب کو فروغ ملنا چاہیے۔ اگر ہم فن اور ادب سے زندگی کو خوبصورت بنانے، ترقی دینے، اپنی کوتاہیوں اور معائب ختم کروانے اور ایک بہتر زندگی کے لئے خواہش اور کوشش کریں۔ دوڑ دھوپ کی توقع اور امید رکھیں تو یہ ہمارے لئے کام کی چیز ہے اور قلندر مومند کی "دنہالی" "(سحر) کی شاعری اسی اساس پر زندگی برائے ادب اور ادب برائے زندگی کی شاعری ہے۔

شاعري، ننګ د وطن، ميني د ښکليو

قلندره! د بائرن غوندي بدنام کړي

("دنہالی" صفحہ 10)

ترجمہ:

شاعری، ناموس وطن اور حسیناؤں کی محبت نے

اے قلندر! بائرن کی مانند بدنام کر کے چھوڑا

آواز

مندر سے نکلتی ہوئی آواز جرس ہو

ویکنار کی موسیقی کے بکھرے ہوئے سُر ہوں

یا جو آدم رباب کو چھیڑے

مست نغمے فضا میں بکھرائے

آبشاروں کے زیر و بم سے جو

ذرہ ذرہ فضا میں لہرائے

طوطی و بلبل و مرغان چمن کی چہکار

یا ہوں جنت میں فرشتے ہمہ بس ہم آواز

عکس ہیں سب تیری شیریں نغمہ گوئی کے

میٹھی آواز تیری سن کر، تب

جاگ اٹھے میرے احساس تمام

دل پہ ایسی اثر انداز ہوئی
کیف و مستی سے جھوم جھوم اٹھا
میرے وجدان پہ چھا گئی جیسے
کسی بلبل کی چہکتی آواز
ہے یہ ایک خواب یا حقیقت ہے
دور کی اک آواز سن کر جو
مجھ پہ جیسے کوئی الہام ہوا

(مترجم : قسیم سرحدی)(سہ ماہی ادبیات، شمارہ 26 جلد 7، بہار 1994)

شیشہ

میرا دل شیشے جیسا ہے
نزاکت اور انعکاس میں
تیری آنکھوں کی
تیری آبروؤں کی
ویسے ایک اشارہ بھی
ایک دھندلا سا غمزہ بھی
یہ شیشہ تڑوا سکتا ہے
ماضی کے وہ عکس
جو مجھ پہ تم سے عنایت نہیں ہو سکتے
رنگین سے نقوش
جو تم ابھی دھندلانا چاہو
جو تم ابھی بھلانا چاہو
میرا دل ابھی تڑوانا چاہو
سچ سچ تڑوانا چاہو
لے لو، توڑ دو، تیار ہوں
میری یاد بھلانا چاہو
میرا دل توڑ دو کہ خوش ہو جاؤ
کہ شاداں ہو نہال ہو

ایسا نہ ہو کہ کہیں ملال ہو
جو میرا دل ذرہ ذرہ کر دیں
اور مطلب تیرا پورا نہ ہو جائے
ایسا نہ ہو کہ دل کے
الگ الگ ٹکڑے میں
ہر نیم ذرے میں
تیری یادیں آشکارا ہو جائیں
تیرے عکس آشکارا ہو جائیں

(مترجم: محمد زبیر حسرت)(سہ ماہی ادبیات، شمارہ ۲۶، جلد ۷، بہار 1994)

قلندر بحیثیت افسانہ نگار

"گجرۍ" (گجرے) قلندر مومند کے مختصر افسانوں کا پہلا مجموعہ ہے۔ ان افسانوں میں قلندر محرومیوں کی بات کرتا ہے، اندھیروں کی بات کرتا ہے لیکن ان محرومیوں میں ایک زندہ اوران اندھیروں یا ان راتوں میں لاتعداد اجالے دیکھتا ہوں۔ ان کے تجسیم کردہ سہمی ہوئی خاموشی میں مجھے ننگ اور جنگ کی طاقت اور شور سے بھرپور ہنگامہ دکھائی دیتا ہے۔ ان مختصر کہانیوں میں وہ اپنے ہر قاری کو امجد اسلام امجد کی زبان میں یہ پیغام دینا چاہتے ہیں کہ یہ دنیا کتنی کمینہ، پراسرار اور کتنی خوبصورت ہے۔ قلندر افسانے کی زبان میں انسانی حقوق اور استحصال کے خلاف فنکارانہ جنگ لڑتے ہیں جو بلا ضرورت بھی نہیں اور مقصدیت بھی رکھتا ہے۔ لیکن اس مصیبت کے مارے اندھیروں نے اسے بہت ڈرایا ہے اس لئے وہ اندھیروں میں گم اور لاپتہ ہونے والے اجالے تلاش کرتا ہے خوشی میں مستی کا ڈھونڈنا کوئی مشکل کام نہیں وہ تو غم زدہ خاموشی کی ہولناک گہرائیوں میں مستی اور شوخی ڈھونڈنے کی سعی کرتا ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی ذات کے آئینے میں معاشرے کے ہر کردار کو حیرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے یا شاید پھر ان کرداروں میں اپنے جیسے انسان کو ڈھونڈتا ہے۔

جب ایک آدمی اپنے گھر میں خود کو بے گھر اور وطن میں بے وطن محسوس کرتا ہے تو کیوں اس محروم کے حال پر ماتم نہیں کریگا لیکن قلندر معاشرے میں "سرورے" کو بالکل "خان" کی طرح انسان سمجھتا ہے اس کا مطلب یہ کہ وہ انسان کی توہین کسی صورت برداشت نہیں کرتا اس لئے وہ "سرور" کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد اور غم سمجھتا ہے یہ الگ بات ہے کہ افسانہ نگار کو اپنے اس نظر اور تلاش میں ہر جگہ اور مقام پر تشنگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن یہی تشنگی اسے بڑا فنکار اور بڑا افسانہ نگار بھی ثابت کرتا ہے۔ "گجرۍ" (گجرے) تاکمل افسانہ ہے۔ یہ سادہ سا افسانہ اپنا گہرا تاثر رکھتا ہے وہ اس لئے کہ "شیر دل" پر شہر کے دروازے یک طرفہ بند ہیں لیکن اس سے اس کی معصوم بیٹی "شیرینہ" گجرے مانگتی ہے لیکن گجرے مانگنے کی ضد خود یہ ظاہر کرتی ہے کہ "شیرینہ" بچی ہے۔ اس مختصر کہانی میں افسانہ نگار کی یہ فنکاری قابل ستائش ہے کہ "شیرینہ" باپ کی اکلوتی لاڈلی بیٹی ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ اپنے باپ کو کتنی عزیز ہوگی۔ اس محبت سے

وہ محبت کی ایک ایسی اضطرابی کیفیت تجسیم کرتا ہے کہ اس اضطراب اور مسلسل اضطراب کو چمکدار خوبصورتی بخشتا ہے اور ایسا دکھائی دیتا ہے کہ ایک جانب پریشانی و مجبوری ہے اور دوسری جانب مسلسل مانگنے کی ضد۔ باپ بیٹی کے درمیان سرد و گرم اور پیار کی جنگ انجام میں بھی انجام کو نہیں پہنچتی لیکن جب وہ اپنے باپ کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں دیکھتی ہے تو گجروں کے اندھے شوق میں اپنے والد کو کہتی ہے میرے لئے بھی ایسے گجرے لاؤ بابا لیکن ساتھ یہ زنجیر نہ ہو۔ اور باپ کی مسکراہٹ اسے زبان حال سے بتاتی ہے کہ شہر جاتا ہوں تمہارے لئے گجرے بھی لاؤں گا۔ افسانے میں تسلسل، روانی اور سادگی وہ بھی اتنی مہارت کے ساتھ کہ قاری ضرور کہے گا کہ یہ افسانہ کسی افسانہ نگار نے لکھا ہے۔

اس طرح "لو کھے" (لکڑی) افسانہ میں کہانی دھیرے دھیرے اس طرح آگے بڑھتا ہے کہ ہر واقعہ میں وہ اپنے افسانے کے کرداروں اور رویوں کی نشاندہی بھی کرتا ہے جب قاری "لو کھے " (لکڑی)'' کا افسانہ پڑھتا ہے تو انہیں ''غنم رنگ'' اور'' داؤد'' دونوں نفسیاتی مریض لگتے ہیں لیکن ان میں'' غنم رنگ'' احساس کمتری اور'' داؤد'' احساس برتری کا شکار ہے۔ میں جب یہ افسانہ پڑھ رہا تھا تو '' سی ایچ کولے'' کے نظریہ آئینہ خود بینی (Looking Glass Theory) یاد آیا۔ اس نظریے میں'' کولے'' کہتے ہیں کہ ہر آدمی جب صبح گھر سے تیار ہو کر نکلتا ہے تو اس کے ذہن میں کئی سوالات گردش کرتے ہیں۔ میں لوگوں کو کس طرح لگتا ہوں؟ لوگ میری وضع قطع اور خدوخال کے بارے میں کیا سوچتے ہیں کیا رائے رکھتے ہیں۔ انہی مختلف مختلف سوالات کی روشنی میں وہ آئینہ میں اپنے آپ کو دیکھتا ہے اور جب وہ گھر سے محلے کی جانب نکل پڑتا ہے تو مختلف لوگوں کی رائے اور تاثرات اپنے بارے میں اکٹھی کرتا ہے اگر لوگوں کی مثبت رائے زیادہ ہو تو یہ انسان احساس برتری میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اگر منفی تاثرات زیادہ ہوں تو یہ انسان احساس کمتری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس مختصر کہانی میں یہی جھگڑا ہے۔ میں جب اس افسانے کی گہرائی کو جانچتا ہوں تو مجھے افسانہ نگار کردار نگاری کے میدان کا ماسٹر لگتا ہے لیکن اس افسانے میں مجھے تھوڑی بہت کمی محسوس ہوتی ہے کہ شاید گاؤں میں کسی اور نے بھی'' غنم رنگ'' کو اسکی بدصورتی کا احساس دلایا ہوتا جس طرح داؤد اس کو معمول کے مطابق یاد دلاتا ہے تو زیر بحث کردار مزید اسٹیبلش (ESTABLISH) ہو جاتا لیکن مجموعی لحاظ سے یہ افسانہ دیگر افسانوں سے بانداز مختلف لکھا گیا ہے تو ظاہر ہوتا ہے کہ افسانہ نگار انسانی رویوں کا مطالعہ بھی صاحب نظر لکھاری کی حیثیت سے کر سکتا ہے اور یہی ان کی افسانہ نگاری کی اضافی خصوصیت ہے۔

سچ یہ ہے کہ یہ افسانے اپنے دامن میں افسانہ کے لئے وہ تمام لوازمات رکھتا ہے جو ایک افسانے کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ ہر افسانے کا اپنا پلاٹ ہے کہانی کے ساتھ ساتھ دلکش تجسس ان کہانیوں میں زندہ اور برقرار دکھائی دیتا ہے۔

کردار نگاری کا فن اپنی خوبصورتی کے ساتھ کہانیوں میں موجود ہے۔ ہر کہانی کا آغاز ایسے جملوں سے کرتا ہے کہ قاری ابتدا ہی سے ذہنی اور جسمانی لحاظ سے متوجہ ہو جاتا ہے اور اسطرح ہر کہانی اپنے انجام کو اس طرح پہنچا دیتا ہے کہ قاری حیران اور تشنہ لب رہ جاتا ہے۔ ان کہانیوں میں اہم اور فکر انگیز بات یہ ہے کہ ہر قاری ایسا محسوس کرتا ہے کہ جیسے یہ تمام باتیں اس کے دل کی ہوں اور یہ کردار اسے ایسا دکھائی دیتا ہے کہ جیسے یہ کردار اس نے قریب سے دیکھا ہو۔ ماحول اس کو اس طرح دکھائی دیتا ہے کہ جیسے یہ اس کے معاشرہ کا ماحول ہو۔ ان افسانوں میں ہم پشتو اور پشتون روایات دیکھ سکتے ہیں۔ قلندر نے پہلے اپنے ماحول کا گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے اور بعد میں یہ افسانے پشتو ادب کے قارئین کو پیش کیے ہیں۔ بعض پشتون افسانہ نگاروں کی طرح افسانہ جبراً نہیں لکھتا اور نہ افسانے جیسے نازک صنف کے ساتھ مذاق کرتا ہے۔

یہ افسانے، افسانے کی زبان اور لہجے میں کہے گئے ہیں۔ ان افسانوں میں افسانویت سے بھرپور تجسم دکھائی دیتا ہے۔ اس طرح ان مختصر کہانیوں میں قاری افسانہ نگار کے فن کے ساتھ ساتھ ان کے انداز تحریر، بیان اور زبان کی شیرینی بھی محسوس کرتا ہے جو پشتو افسانہ نگاروں میں نہ ہونے کے برابر ہے۔

ظاہر بات ہے کہ جو کوئی بھی افسانے کے معیار ور قدر و قیمت سے باخبر ہو وہی اس قسم کے افسانوں سے پشتو کے دامن کو بھر سکتا ہے۔ تاحال مجھے ایسا بڑا افسانہ نگار دکھائی نہیں دیتا کہ ایسے معیاری افسانے پشتو کو عطا کیے ہوں۔ میں اس شعبے میں مایوسی کا شکار نہیں ہوں اگر اردو زبان منٹو اور کرشن چندر جیسے اعلیٰ پائے کے فسانہ نگار رکھتی ہے تو ہمارا قلندر بھی ان کے قد کاٹ سے چھوٹا نہیں ہے۔ چاہیے کہ یہ افسانے اردو اور دیگر زبانوں میں ترجمہ کیے جائیں تاکہ دوسری زبان اور ادب کے قاری ان افسانوں سے کما حقہ استفادہ حاصل کریں۔ افسانہ "شرم" (شرم) خود ایک الگ اثر رکھتی ہے اور یہ کہ ایک سبق آموز افسانہ ہے۔ "شفا گجی" کے کردار میں جو بے بسی دکھائی دیتی ہے وہ کسی دوسری طرح کے ردعمل اور درد کی عکاسی کرتا ہے اس افسانہ میں افسانہ نگار بتاتے ہیں کہ معاشرہ کسی کی بے بسی اور بدبختی سے کتنی بے رحمی کے ساتھ فائدہ اٹھاتی ہے لیکن اس افسانے کا مجموعی تاثر کچھ پھیکا دکھائی دیتا ہے حالانکہ افسانہ اپنی جگہ مکمل ہے اور یہ ایک طنز ہے جو قاری کو یہ تاثر دیتا ہے کہ "شفا گجی" کے گاؤں کے لوگوں کی قلعی اڑائے اور یہی طنز افسانے میں ایک نئی زندگی اور رنگ پیدا کرتا ہے اور افسانے کا مزہ دوبالا کرتا ہے۔

''حبیب بنام سرکار'' حبیب ماما کی بدبختی کی داستان ہے اس میں ملک کے دفتر کے پوشیدہ رازوں سے پردہ اٹھاتا ہے جو معاشرے کی نظروں سے اوجھل ہے یا دوسرے لفظوں میں معاشرہ یہ گند دیکھتا تو ہے لیکن مصلحت کی خاطر خاموشی اختیار کیے ہوئے ہے۔ یا اس معاشرے کے لوگ قلندر مومند کی طرح جرات کے ساتھ اظہار نہیں کر سکتے۔ یہ افسانہ حقیقت سے بڑھ کر حقیقت کے قریب ہے۔ لگتا ہے کہ افسانہ پورے ملک کے ماحول کو نظر میں رکھے ہوئے ہے شاید کہ وہ ملک کی تعمیر نو کرنا چاہتے ہیں یا وہ اس

ملک کے دامن پر لگے داغ دھونا چاہتے ہیں یا وہ پھر معاشرے کے بے راہ لوگوں کو راہ راست پر لانا چاہتے ہیں۔لگتا ہے کہ ان مختصر کہانیوں کے کردار میں بڑا نقاد چھپا ہوا ہے۔خیال کرتا ہوں یہ افسانے کا ایک دوسرا رخ ہے۔چاہیئے کہ ہمارے افسانہ نگار ان جیسے افسانوں کی طرز اپنا ئیں۔ ہر افسانے، ہر مختصر کہانی کے اندر کئی باتیں کئی حقیقتیں اور کئی راز پوشیدہ ہیں۔ان افسانوں پر کتاب لکھنا مشکل نہیں۔ یہ افسانے ایک تجزیہ نگار کو خود تنقیدی مواد فراہم کرنے کا موقع دیتے ہیں۔ افسانہ اگر افسانہ نہ ہو تو اس پر کچھ لکھنا مشکل کام ہے۔

''صرف شرفاء کے لئے'' ایک ایسا افسانہ ہے جس کو آفاقی افسانہ کہنا مبالغہ آرائی نہیں ہوگی۔ یہ علامتی یا نیم علامتی افسانہ ہے۔اس افسانہ میں کابلی دروازہ کے کارنر پر ہوٹل بطور علامت لیا گیا ہے اور قلندر خود اس افسانے کا ہیرو ہے۔شریفوں کی حقیقت جاننے کے لئے افسانہ نگار تحقیق کرتا ہے۔ یہ ملک اس کی کائنات ہے اور اس کائنات کے لئے وہ "Sampling" نمونہ بندی کرتا ہے۔پورے ملک سے یہ ہوٹل اپنی تحقیق کے لئے بطور نمونہ لیا ہے۔یہاں افسانے کا ہیرو کتنی سنجیدگی کے ساتھ اس ہوٹل کا مطالعہ کرتا ہے۔جس پر لکھا ہوا ہے'' دی ہوٹل اینڈ ریسٹورنٹ'' (صرف شرفاء کے لئے)۔انہوں نے بطور تجزیہ جس ہوٹل کا انتخاب کیا ہے اور انہیں توجہ کا مرکز ٹھہرایا ہے اسی ہوٹل کا اطلاق وہ پورے معاشرے پر کرتا ہے۔ یہاں اس کا مقصد و مطلب یہ ہے کہ اس ہوٹل کے شرفاء لوگ ایسے ہیں تو پورے ملک کے شرفاء بھی ایسے ہونگے۔میرے نزدیک ''صرف شرفاء کے لئے'' افسانہ اس افسانوی مجموعے کا ٹائٹل ہونا چاہیئے تھا۔میں نہیں سمجھتا کہ "ککجرې"(گجرے)'' کو اولیت کیوں حاصل ہوئی؟

ان افسانوں کا بیانیہ لفظوں کی ترکیب کی وجہ سے اتنی پختگی رکھتا ہے کہ قاری کو حیرت میں ڈال دیتا ہے۔ان مختصر کہانیوں میں تاریخ کے جبر کے خلاف ایک مدھم احتجاج ہے۔ گجرے میں عمل اور رد عمل کا پوشیدہ انقلاب ہمیں حق کی بات کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ان افسانوں میں تنقید نگار معاشرے کے سلوک اور ناروا رویے پر از حد طنز اور تنقید کرتا ہے۔ان مختصر کہانیوں میں ثقافت اور معاشرتی رویوں کے رنگ واضح اور قابل ذکر ہیں۔

معاشرتی فاصلوں اور تفریق کے مختلف مناظر اور عکس حیرت سے بھر پور وہ سوالات ہیں کہ ہر مایوسی اور بے بسی ہم سے اس کا جواب مانگتی ہے۔کیا یہ قابل فکر حادثہ نہیں کہ بیسویں صدی میں ''سرور'' کے پاس اپنے معصوم بچے کے لئے دوا کے پیسے نہیں ہیں اور یہ کہ اس سائنسی اور مشینی دور میں ہمارا معاشرہ صحت کی بنیادی سہولتوں سے محروم ہے۔غریبوں کے ساتھ معاشرے کے صاحب ثروت حضرات کے غیر اخلاقی رویے کے خلاف حق کا مبارزہ اپنے انجام کو کیوں نہیں پہنچا یہ تمام باتیں ان افسانوں کے موضوعات ہیں جو قابل ذکر بھی ہیں اور باعث حیرت بھی۔

قلندر مومند بحیثیت ناقد

قلندر مومند کی ادبی شخصیت کے مختلف پہلوؤں میں ایک پہلو تنقید کا بھی ہے۔ فن تنقید اور ادبی تنقید کے حوالے سے ان کی بھرپور صلاحیت کا اعتراف "اولسی ادبی جرگہ" میں بھی کیا گیا لیکن اس کے علاوہ انہوں نے اپنے وسیع مطالعے اور عملی تجربے کے سبب اپنی یہ صلاحیت نہ صرف رائے عامہ تک پہنچائی بلکہ خود کو دوسروں سے منوا بھی لیا ہے اور جہاں پشتو کے بہترین ناقدین کا ذکر ہوگا ان میں قلندر مومند کا نام سرفہرست ہوگا انکے اس مقام کا ہر کوئی اعتراف کرتا ہے لیکن بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ قلندر صاحب اپنی بے انتہا تنقیدی صلاحیت اور حیثیت واہمیت کیوجہ سے بعض اوقات منفی رویے اور طرز عمل کا اظہار کرتا ہے لیکن اس الزام کو تحقیقی نظر سے دیکھنا پڑے گا کہ واقعی اس الزام میں کچھ حقیقت وصداقت بھی ہے یا پھر محض (بغض معاویہ) کا اظہار ہے۔

قلندر مومند کے ذہن اور قلم سے جتنا بھی تنقیدی مواد فراہم ہوا ہے اس کی درجہ بندی یا تقسیم کچھ اس انداز سے ہے۔

1. "اولسی ادبی جرگہ" اور "ذ ساھو لیکوونکیو مرکہ" کے تنقیدی اجلاسوں میں ان کی عملی تنقید
2. بصری اور عملی تنقید پر مبنی انکی تحریریں اور بکھرے ہوئے مقالے
3. نظریات اور تنقید کے نام سے ان کی شائع کتابیں
4. مختلف کتب پر تحریر شدہ پیش لفظ اور مقدمے
5. ان کی شائع شدہ تحقیقی کتب "پتہ خزانہ فی المیزان" اور "ذ خیر البیان تنقیدی مطالعہ" (خیر البیان کا تنقیدی مطالعہ) میں تحقیق اور تنقید کا امتزاجی طرز عمل

درج بالا ذکر شدہ تمام نکات تفصیلاً پرکھنا اور دیکھنا پڑینگے کہ اس سے قلندر صاحب کا مکمل اور مربوط تنقیدی نظریہ آشکارا ہو سکے۔ میں نے قلندر مومند کی جتنی تحریریں پڑھی ہیں یا ان کے متعلق پڑھا ہے اس کی روشنی میں اپنے تاثرات پیش کرتا ہوں:

عالمی سطح پر وسیع تناظر میں تنقید کے دو چشمے ہیں ایک مشرقی دوسرا مغربی۔ مشرقی چشمے سے پھوٹے۔

تنقیدی علم نے عربی اور فارسی کے ذریعے دنیا کے ادبیات کو زیر کیا۔

اس طرح مغربی چشمے کا ماخذ یونان ہے اور اس کے بعد یورپ کے بہت سی زبانوں کے علماء، فلسفیوں اور ناقدین نے اپنی اپنی فکر کے چشمے اس میں شامل کئے ہیں۔ تنقید کے یہ دونوں سرچشمے اپنی روایات، تاریخ، نظریات اور اصول رکھتے ہیں ان کے اپنے حدود ہیں اور فی زمانہ ادب کے معیار جانچنے کے لئے مشرق اور مغرب کے تنقیدی اصولوں کا امتزاج بہتر نتائج کا ضامن بن سکتا ہے۔

قلندر صاحب کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ مغرب کے تنقیدی تاریخ سے بھی آگاہ ہیں اور عربی، فارسی، اردو پر عبور رکھنے کی بدولت مشرقی تنقید کا بھی پورا علم رکھتے ہیں اور اس کی باریکیوں سے واقف ہیں اور اس کے ساتھ پشتو ادب پر عمیق نظر رکھتے ہیں اور ان تینوں کی اجتماعیت پر ان کی تنقیدی رائے ناپ اور وزن برابر اور بھاری ہوتا ہے۔ ان کے اس خاص علم اور سمجھ کے رنگا رنگ دسترخوان سے ادب کے خوشہ چین مرکہ کے اجلاسوں میں بھرپور استفادہ کرتے ہیں۔ قلندر صاحب کی دو کتابیں۔ نظمیات اور تنقید۔ جو پہلی بار سال 1963 میں زیور طبع سے آراستہ ہوئیں۔ پہلی کتاب ارسطو کی (Poetics) کی تشریح اور تبصرہ ہے جبکہ دوسری حڈسن کی کتاب ہے۔

(An introduction to the study of litrature) کی تلخیص، تنقید اور ترجمہ ہے یہ دونوں کتابیں قلندر مومند نے صرف طالبعلموں کی خاطر پشتو میں منتقل نہیں کیں بلکہ اس کے ساتھ انہوں نے اپنے تنقیدی نظریات بھی پیش کئے ہیں اس لئے کہ پہلی کتاب دنیا میں باقاعدہ تنقید کی کتاب ہے جبکہ دوسری اتنی اہم ہے کہ دنیا کی مختلف زبانوں میں کئی بار اس کے تراجم ہوئے اور اس کی کئی شرحیں اور تفاسیر لکھی گئیں۔ پشتو میں بھی اس کا ترجمہ ''کتاب الشعر'' کے نام سے مولوی اسرائیل صاحب نے کیا ہے لیکن قلندر صاحب کی تشریح اور تبصرہ بھی از حد ضروری تھا۔

ارسطو کی اس کتاب کی اہمیت ڈاکٹر جمیل جالبی کے تبصرہ سے اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے

> ''اگر مغرب کی تنقید نگاری پر نظر ڈالی جائے تو یہ مغربی تنقید یا تو ارسطو سے اتفاق یا اختلاف کے نتیجہ میں یا پھر دونوں کے امتزاج سے پیدا ہوتی ہے غرض یہ کہ مغرب کی تنقید میں ارسطو ایک خدا کی طرح قائم ودائم ہے اور اگر تنقید کسی بھی راہ پر چلے ان کے اثر سے بچ نہیں سکتی'' (87)

دوسری کتاب ''تنقید'' کے نام سے حڈسن کی کتاب کے ایک باب کی تلخیص و ترجمہ ہے لیکن تلخیص قلندر صاحب نے اتنے اختصار اور جامعیت سے کی ہے اور غیر ضروری تفصیلات کی تنقیح اس مہارت سے کی ہے گویا اصل کتاب یہ ہے۔ اس کتاب میں ادب کے مطالعے کے اصول، تنقید کی تعریف، ضرورت، صحیح اور غلط استعمال کا فرق، تنقید کے اقسام، اصول، نظریات، تنقیدی ادب میں تخلیقی ادب کے

عنصر کی نشاندہی، نقاد کے اوصاف وخصوصیات، تنقیدی رائے میں اختلاف کی صورت میں ایک نتیجہ اخذ کرنے کے لئے تقابل اور ادب وتنقید کے تاریخی مطالعہ پر زور، ذاتی اور انفرادی ذوق کے مطابق تنقید اور مختلف منفرد ناقدین کا اجماع، کلاسک کا مفہوم، کلاسک کے معیار کے مطابق تسلیم کرنا اور ان کے اصول واستعمال، ادب میں بقائے اصلح کے اصولوں کی تلاش اور ہم عصر ادب، تحقیق کے اصول اور طریقہ کار جیسے مسائل کے حوالے سے سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قلندر نے اس باب کی دوبارہ تعبیر کی ہے۔ ان کی تحریر کا اسلوب ہی کچھ اس طرح ہے کہ ہر جملے اور عبارت کو "قول زرین" کا درجہ دیا ہے یہ کتاب تنقید کی تاریخ تو نہیں لیکن تنقید کے مسلمہ اصولوں اور نظریات کا اتنی خوبصورتی کے ساتھ احاطہ کرتی ہے کہ بہت سی کتابوں کے مطالعہ سے قاری کو بے نیاز کرتی ہے۔ تنقید کے حوالے سے اس باب کے انتخاب سے قلندر صاحب کے تنقیدی شعور اور معیار کا بھی اندازہ ہوسکتا ہے۔ ہڈسن کی کتاب لکھنے کے بعد بھی تنقید کے حوالے سے جدید نظریات قائم ہوتے ہیں۔ قلندر صاحب نے "باعث تحریر آنکہ" میں ان کی طرف اشارہ کیا ہے اور ارادہ ظاہر کیا ہے کہ اگر وقت اور فرصت ملی تو نہ صرف ہڈسن کی کتاب کے مشکل نکات اور حصوں کی توضیحی اور تشریحی تعلیقات لکھونگا بلکہ ان جدید تنقیدی نظریات کے بارے میں لکھونگا اب تو صورت حال یہ ہے کہ قلندر صاحب کی کتاب کے بعد مزید تنقیدی نظریات بھی قائم ہوئے لیکن قلندر صاحب 35 سال گزرنے کے بعد اس سلسلے میں پیش رفت نہ کر سکے۔ تاہم یہ چھوٹی سی کتاب بھی اتنی اہمیت رکھتی ہے کہ ضخیم کتابوں پر بھاری ہے۔ قلندر صاحب پشتو ادب کے لئے اس کتاب میں بیان کردہ اصولوں اور طریقہ کار سے متفق ہے اور اس کی پیروی بھی کرتا ہے اس لئے کہ جدید ادب اور شاعری کے بارے میں کتابوں کے پیش لفظ اور مقدمہ نگاری میں ان کی تنقیدی رائے میں اس "تنقید" کا عکس دکھائی دیتا ہے۔

پشتو ادب کے بارے میں قلندر صاحب کے تنقید کو دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں ایک قدیم کلاسیک ادب کی تحقیق اور دوسرا جدید ادب کے بارے میں ان کا نظریہ۔ قدیم ادب کے بارے میں ان کا جامع تنقیدی کام "پټه خزانه فی المیزان" "ذ خیر البیان تنقیدی مطالعه" اور دیگر قدیم شعراء کے متعلق ان کے مقالات اور کچھ شعری اور نثری کتابوں پر ان کے مقدموں پر مشتمل ہے۔ اس طرح جدید ادب کے متعلق مختلف شعراء ادباء کی کتابوں پر قلندر صاحب کے لکھے گئے پیش لفظ، مقدموں اور تقریظوں میں ان کے تنقیدی خیالات کا مدھم سا عکس دکھائی دیتا ہے۔

قدیم ادب کے بارے میں تنقید کا رابطہ تحقیق سے جا ملتا ہے اور یہ دونوں امور بیک وقت عمل میں لانے چاہئیں۔ قدیم ادب کے بارے میں قلندر صاحب کی تنقیدی کاوش ان کی دو کتابوں "پټه خزانه فی المیزان" اور "ذ خیر البیان تنقیدی مطالعه" میں دیکھی جا سکتی ہے۔ دونوں کتابوں میں

مشترک قدر پشتو کے قدیم ادب کے بارے میں مسلمہ نظریات کا رد ہے اور پھر ان دونوں کتابوں میں اہم کتاب صرف ''"پتہ خزانہ فی المیزان" ہے جو "پتہ خزانہ" کے رد میں لکھا گیا ہے لیکن اس کتاب کو صرف "پتہ خزانہ" کے رد میں لکھی گئی کتاب نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ میرے خیال میں یہ کتاب پشتون ناقد کے لئے ایک ''گائیڈ بک'' کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ کتاب تحقیق اور تنقید، واقعیت و منطقیت کا ایک حسین امتزاج ہے۔ اس کتاب کے "پتہ خزانہ" کے رد کا پہلو اگر متنازعہ ہے اور اس کے نتیجے میں بہت سے اختلافات، ناراضگیاں، شکوک و شبہات پیدا ہوئے ہیں اور اس کے خاتمے کا کوئی امکان بھی دکھائی نہیں دیتا لیکن اس کا یہ پہلو بالکل غیر متنازعہ ماننا چاہیے کہ انہوں نے ادب خصوصاً قدیم ادب کی تحقیق اور اس کے لئے طریقہ کار اور اصول وضع کئے ہیں اور پشتون ناقد کو یہ سکھایا ہے کہ کسی فنپارے کی صحت اور عدم صحت کی تشخیص کس طرح کرنی چاہیے اور ایک فنپارے کے مقام کے تعین کے لئے ادب کی تاریخ پر نظر رکھنا ضروری ہے اور ادب کی اجتماعی خصوصیات کیا ہیں۔

اور ایک شاعر کا انفرادی کارنامہ کیا ہے۔ یہ کتاب عملی تنقید سے تعلق رکھتی ہے لیکن اصول اس میں اتنی شائستگی کے ساتھ لائے گئے ہیں کہ پشتو ادب کی تاریخ لکھنے والوں کے لئے کافی مواد فراہم کرتے ہیں اور نئی راہیں کھولتے ہیں۔

قلندر صاحب کی تنقید کا دوسرا پہلو جدید ادب پر ان کی نظر ہے جدید ادب کے بارے میں ان کے تنقیدی عمل اور نظریہ کا اندازہ لگانا اور احاطہ کرنا تب ممکن ہوگا جب "اولسی ادبی جرگہ" اور "ذ ساهو لیکوونکو مرکہ" کے تنقیدی اجلاسوں کا مکمل ریکارڈ دیکھا جائے لیکن اس وقت میرے لئے یہ ممکن نہیں اور نہ ہی پشتو کے پرانے رسالوں، اخبارات اور بکھرے ہوئے شائع شدہ مضامین اور مقالات تک رسائی ممکن ہے تو اس لئے میں یہاں صرف جدید شعراء و ادباء کی کتابوں پر قلندر صاحب کے لکھے گئے پیش لفظ تک اپنی بات محدود رکھتا ہوں۔

چونکہ مختلف لوگوں کی کتابوں پر پیش لفظ ایک پروگرام کے تحت مربوط انداز میں نہیں لکھا جا سکتا اور نہ اسمیں انتخاب کیا جا سکتا ہے تو اسی شکل کے ساتھ جس نے بھی قلندر صاحب کو کتاب دی ہے اور انہیں مجبور کیا ہے تو انہوں نے بہت سے تحفظات کے ساتھ پیش لفظ لکھے ہیں اور بہت محتاط انداز اپنایا ہے اتنا محتاط کہ اکثر مواقع پر انسان ایسا محسوس کرتا ہے کہ انھوں نے مصنف سے جان چھڑانے کی کوشش کی ہے۔ جس طرح مرحوم ''ایوب صابر'' کی کتاب "خپگر خوڼ" (خونِ جگر) پر لکھا ہوا پیش لفظ جس پر ایوب صابر صاحب مطمئن دکھائی نہیں دیتے لیکن پھر بھی قلندر صاحب نے ان کی شاعری کے بارے میں جو مجموعی رائے قائم کی ہے اس کی اہمیت مسلم ہے۔

قلندر مومند کی تحریر کردہ پیش لفظوں سے ہم صرف اس قدر معلوم کر سکتے ہیں کہ وہ کسی شاعر، افسانہ نگار

یا دیگر کسی مصنف کے بارے میں رائے کس طرح قائم کرتے ہیں نمونے کے لئے ان کے مختلف پیش لفظوں سے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں۔

1۔ اس مجموعے کے تمام افسانے عمرانی تنقید کے حامل ہیں۔ (88)

عمرانی تنقید کے لیے قلندر صاحب عمرانیات کے بارے میں مکمل معلومات، تجربہ اور صاف نیت ضروری سمجھتے ہیں اور یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ عمرانی تنقید کے ساتھ زبان اور ادب ترقی کرتا ہے۔ اس نظریے کے اظہار کے بعد اور عمرانی تنقید کے علم اور اصولوں کی روشنی میں قیوم مروت کے افسانوں کے کرداروں خصوصاً زنانہ کرداروں پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ہر افسانہ میں عورت کو قارئین کے سامنے ایک کردار میں دکھایا گیا ہے اور اس طرح قیوم مروت کی عمرانی تنقید یک طرفہ دکھائی دیتی ہے اور اسے اس کے فن کی کامیابی کی راہ میں رکاوٹ سمجھتے ہیں۔

2۔ ہمیش خلیل ایک بیدار مغز معاشرتی شعور رکھتے ہیں وہ اگر گل و بلبل کے نغمے الاپتا ہے تو ان گیتوں کا مقصد حدی خوانی ہی ہے اور اس کے ذریعے قوم کو بیدار کرنا چاہتا ہے۔ (89)

اور اس عمرانی زاویے کے ذریعے قلندر نے ہمیش خلیل کی شاعری پر مجموعی نظر دوڑائی ہے اور ہمیش خلیل صاحب کی شاعری کی خصوصیات قید و بند کی صعوبتوں سے ایک رجائی پیغام، جذبہ حب الوطنی، جدید قومی شعور تصور میں مظلوم عوام کے ساتھ اشتراک درد اور پختونوں کی یک جہتی کو اس معاشرتی اور عمرانی تنقید کے تلازمہ میں دیکھتے ہیں۔

قلندر صاحب شاعر کو زندگی اور معاشرے پر نظر رکھنے اور زندگی کے تجربات سے شعر کے لئے الہام حاصل کرنے اور فن کی شکل میں معاشرے پر تنقید کرنے اور اخذ کردہ الہام کو واپس معاشرہ یا عوام تک پہنچانا ضروری سمجھتے ہیں۔

3۔ انہوں نے جو کچھ محسوس کیا ہے وہ امانت کے طور پر آئندہ نسلوں کے لئے چھوڑا ہے اور وجہ شائد یہی ہے کہ انہوں نے اپنے لئے جو تخلص چنا ہے وہ اس پر دلالت کرتا ہے۔ (90)

4۔ شیر محمد مومند کے شعری مجموعے "خوارهٔ خیالونه" (بکھرے خیالات) کے پیش لفظ میں قلندر صاحب ان کی شاعری کی پانچ بنیادی خصوصیات کی نشاندہی کرتے ہیں۔ (91)

(الف) تشکک بلکہ الحاد کے مقابلے میں ایک صحیح پختون کی طرح دین اسلام پر مضبوط عقیدہ رکھنا

(ب) اسی عقیدے کی بنیاد پر اپنے اردگرد معاشی اور معاشرتی خرابیوں کی اصلاح کی غرض سے تنقید کرنا۔

(ج) معاشی اور معاشرتی مسائل کے نتیجے میں پیدا شدہ شدید احساس اور گہرے جذباتی کیفیت کے ساتھ مایوسی نہیں بلکہ غلبہ رجائیت اور فطرت کے حارسون کی طرح۔

(د) احساس کے اسی شدت اور فطری مناظر کے ساتھ محبت اور اس کے نتیجے میں شعر میں پیدا شدہ نغمگی اور موسیقیت۔

(ہ) معاشرتی اور شخصی تنقید کے لئے طنز و مزاح کا پیرایہ۔

یہ پانچوں خصوصیات ایسی ہیں کہ نہ صرف کسی شاعر کی شاعری پر اس سے تیز روشنی پڑ سکتی ہے بلکہ قلندر صاحب کے تنقیدی زاویے کا پتہ بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ یہاں بھی وہ ادب اور زندگی کو انسانی سوسائٹی کے زاویے سے دیکھتا ہے اور ادب کو نہ صرف زندگی کی عکاسی سمجھتا ہے بلکہ اسکو اصلاح معاشرہ کا ذریعہ بھی مانتا ہے۔

5۔ان تمام افسانوں کا تعلق چونکہ معاشرے کے مختلف مسائل سے ہے تو اس وجہ سے اس میں اصلاحی رنگ نمایاں ہے اور میں اس وجہ سے یہ امید رکھتا ہوں کہ ادب برائے زندگی کے نظریے کو اس سے تقویت پہنچے گی۔(92)

اوپر دیے گئے ان اقتباسات کے خلاصے سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ قلندر مومند بڑے شد و مد کے ساتھ ادب برائے زندگی کے نظریے کا قائل ہے اگر چہ پشتو کا تمام ادب اسی نظریے کا ترجمان ہے حتیٰ کہ تصوف جیسے مثالی مابعد الطبیعاتی، ماورائی اور مجهول روحانی موضوعات میں بھی جو پشتون شعراء نے اپنائے ہیں اپنی زمین، اپنے معاشرے، اپنے عصر کے تقاضوں کو نظر انداز نہیں کیا گیا اور اپنے فن کو عصری تقاضوں یا معاشرے کی اصلاح کیخلاف استعمال نہیں کیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ قلندر مومند رحمان بابا کے کلام میں بھی رجائیت ڈھونڈھتے ہیں اور اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ چونکہ رحمان بابا پشتون تھے اور کوئی بھی پشتون زندگی سے راہ فرار اختیار نہیں کرتا بلکہ یہ عمل اپنی نسلی خصوصیات کے خلاف سمجھتا ہے۔

رحمان بابا کی شاعری میں زندگی کی قدر و قیمت زندگی میں دائمی خوشی کی خواہش، محنت مشقت کے لئے کمر کسنا اور تکالیف کے مقابلے کے لئے درس صرف انہیں خصوصیات کے سبب گردانتا ہے اور اس عصر ارضی اور معاشرتی زاویے سے قلندر صاحب نے حمزہ بابا کی شاعری کو دیکھا ہے۔ان تمام حوالوں کے نتیجے میں قلندر صاحب ایک عمرانی اور معاشرتی نقاد کے طور پر دکھائی دیتے ہیں۔

قلندر مومند کے بارے میں ناقدین کی آراء

اجمل خٹک

شاعر جلال و جمال جناب اجمل خٹک اپنی ادبی سرگزشت "قصه زما د ادبی ژوند" (میری ادبی زندگی کی کہانی) میں رقم طراز ہیں:

"میں جبڑے کے آپریشن کے لئے لیڈی ریڈنگ ہسپتال (پشاور) میں داخل تھا۔ ایک دن ہوا خوری کے لئے قصہ خوانی بازار کی طرف چل پڑا۔ دریں اثناء ایک تنومند نوجواں میرے قریب آیا اور پوچھنے لگا۔ "تم اجمل خٹک ہو"؟ میں نے ہاں میں جواب دیا تو اس نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ "میں حبیب الرحمان سوز ہوں۔ بازید خیل مومند کا باشندہ ہوں، ایف۔ اے کر رہا ہوں اور مشق سخن بھی جاری ہے"۔ اس طرح یہ نوجوان میرے ساتھ شریک گفتگو رہا حتیٰ کہ ہسپتال میں میرے بستر تک پہنچ گئے۔ اس کے بعد وہ روزانہ ہسپتال آتے رہے اور میرے لئے کوئی نہ کوئی چیز بھی ساتھ لاتے رہے۔ جس دن آپریشن ہونے والا تھا میں شدید کرب میں مبتلا تھا۔ بے ہوشی کا مرحلہ گزرنے کے بعد جب ہوش آیا تو دیکھا ایک طرف میرے سرہانے ایک چچا صاحب (کاکا) بیٹھے ہوئے ہیں اور دوسری جانب میری چارپائی کے ساتھ یہ جواں سال کھڑے ہیں۔ انہوں نے پورا دن میرے ساتھ تکلیف میں گزارا تھا۔ ہسپتال سے فارغ ہوا تو یہ نوجوان مجلّہ "عدل" کے دفتر میرے پاس آتے اور مجلّے کی اشاعت میں میرا ہاتھ بٹاتے۔ اس کا ابتدائی کلام بھی اسی مجلّے میں اشاعت پذیر ہوا تھا۔ اب وہی جوان رعنا، عصر جدید کے مشہور اور نامور شاعر، عالم، محقق، ادیب اور نقاد قلندر مومند کے نام سے ملک بھر میں شہرت رکھتے

ہیں۔ وہ میرے ادب وسیاست، ہر میدان اور عہد کے ساتھی ہیں۔ پشتو زبان اور زندگی کی جدوجہد میں ہماری دوستی ہمیشہ گہری پکی رہی۔ حالات کے جبر و تشدد اور مکروفریب نیز تلخ وشیریں حادثات بھی ہمیں ایک دوسرے سے جدا نہ کر سکے۔ غیرت وحمیت کے حوالے سے ہم بھائی بھائی ہیں اور میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اس کا بیٹا ''زلان'' گر میرے نام کے ساتھ احتراماً کاکاجی نہ کہے تو قلندر اسے اپنے گھر آنے بھی نہیں دے گا۔ ہم دونوں ''اولسی ادبی جرگہ'' کے بانی ارکان بھی تھے اور ادبی جرگے کو فعال بنانے میں سرگرم خدمتگار بھی۔''

پروفیسر میاں تقویم الحق کاکاخیل (مرحوم)

'' قلندر صاحب کا علم سے جذباتی لگاؤ ہے۔ اور یہ محبت جب احساس کی شدت سے آملی ہے تو قلندر کو بڑی تکلیف میں ڈالا ہے۔ اگر کبھی ان کے ہاں گئے اور تم نے قلندر کو بجھا بجھا۔ اداس اداس اور دکھی پایا تو پریشان مت ہو۔ اس کا کوئی عزیز رشتہ دار دار فانی سے چل نہیں بسا بلکہ کسی نے مسلمہ علمی نظریے کو شہید کیا ہوگا۔ قلندر صاحب ''بے علمی'' برداشت نہیں کر سکتے اور جہل کی بات اگر سو سالہ پرانی کتاب میں بھی دیکھ لے تو آپ کے پورے بدن سے ایسی ٹیس اٹھے گی جیسے انہیں ابھی ابھی کسی نے پتھر مارا ہو۔''

(قلندر مومند فن اور شخصیت)

قمر راہی

'' قلندر مومند ایک سمندر ہے۔ رنگا رنگ شخصیت ہے۔ اس کے کئی حوالے ہیں۔ وہ ادب کے تمام اصناف پر حاوی ہے۔ اس کی سیاسی زندگی رتھمبور اور لاہور کی کہانی ہے۔ اس کا ایک علمی پس منظر بھی ہے۔ کئی بار اپنے نظریات کے سبب اس کی روزی چھینی گئی۔ اس کی زندگی ریاضتوں سے بھری پڑی ہے۔ ''قند میں اس کی تحریریں چھپی ہیں۔ اس کی تصنیفات ہیں۔ غزل، نظم، افسانہ اور تنقید کے حوالے سے اس کے تخلیقی اور تحقیقی کارنامے ہیں۔'' دریاب'' (پشتو لغت)

ہے اور یہ وہ کمالات ہیں جن کے تحت اسی حکومت سے جس کی اس نے قدم قدم
پر اپنی تحریروں میں مزاحمت کی ہے تقریباً سبھی اعزازات اور انعامات بھی
حاصل کیے ہیں۔ ''

(قلندر مومند ص 63-64)

ایوب صابر

''دوست محمد خان کامل کے بعد پشتو ادب کو پڑھے لکھے اور باشعور قارئین پشتو
کے جس شاعر و ادیب کی تنقید اور تخلیق سے سب سے زیادہ متاثر ہیں تو وہ
صاحبزادہ حبیب الرحمان (قلندر مومند) ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔
۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پشتو ادب میں ان کا سب سے بڑا کارنامہ "ذ
ساھو لیکوونکیو مرکہ" کی تشکیل اور قیام ہے۔ جب انہوں نے دیکھا
کہ پشتون ادیبوں اور دانشوروں کی مرکزی ادبی تنظیم " اولسی ادبی
جرگہ" کا شیرازہ بکھر گیا ہے اور منبع خشک ہو گیا ہے، جس سے نئے نئے چشمے
پھوٹتے تھے اور پشتو ادب کو سیراب کرتے تھے، تو ان کو ایک متبادل مرکزی ادبی
انجمن کی تشکیل و قیام کی سوجھی اور چند ہم خیال ادیبوں کو ساتھ ملا کر 1962 میں
انہوں نے یہ کارنامہ انجام دے دیا اور اس کی جڑیں پورے صوبہ سرحد میں پھیلنے
لگیں۔
قلندر مومند ایک با اصول آدمی ہیں۔ ادب ہو یا نظریاتی سیاست، اپنے اصولوں
سے وہ کہیں بھی روگردانی نہیں کرتے۔ چاہے اس کی کتنی ہی بڑی قیمت کیوں نہ
ادا کرنی پڑے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے دوستوں کی تعداد بہت کم اور دشمنوں کی
تعداد بہت زیادہ ہے۔''

(جدید پشتو ادب ص۔ 249،251)

فقیر حسین ساحر

'' قلندر مومند صاحب پشتو ادب کے ایک ایسے شاعر ہیں جس نے اپنے کلام
میں وقت کے تمام تقاضوں کو پورا کیا ہے۔

قلندر کی شاعری میں انسان کی عظمت کے نغمے بھی ہیں اور زندگی کی بنیادی ضروریات اور تقاضے بھی، کشمکش بھی ہے اور حسن فطرت بھی، روایت بھی ہے اور روایت سے بغاوت بھی۔ قلندر مومند نہ صرف پشتو ادب کے نمایاں شاعر کی حیثیت رکھتے ہیں، بلکہ ان کو افسانہ نگار، نقاد اور ادیب کا مقام و مرتبہ بھی حاصل ہے۔''

(پشتو زبان و ادب پر ایک نظر۔ص۔100)

مشتاق مجروح

''اگر زیر حسرت میری طرح اپنی کم علمی کی وجہ سے یہ کہتا ہے کہ "Second to none" تو برا نہیں کہتا اس لئے کہ پشتو ادب میں ابھی تک اس کا کوئی ثانی پیدا نہیں ہوا۔ "پٹہ خزانہ" کو جعلی ثابت کرنے کے باوجود آصف صمیم ابھی تک ان کے علم اور شعور کے معترف ہیں تو بجا نہیں اس لئے کہ سال 1967 میں چھپا ''خیر البیان'' جب انہوں نے اپنے تنقیدی نوٹوں کے ساتھ پشتونوں کے سامنے پیش کیا تو لوگ ''خیر البیان'' سے آگاہ ہوئے اور جب پٹہ خزانہ کو فی المیزان کیا تو بعض لوگوں کو اتنا ان بیلنس کیا کہ ابھی تک ان بیلنس پتنگ کی طرح جھٹکے کھا رہے ہیں۔ شاعر کی حیثیت سے مخالفین نے بھی ان کا اعتراف کیا ہے۔
ان کے افسانوں کے متعلق میرے علم کے مطابق ان کے ہم عصر سوائے طاہر آفریدی کے کہتے ہیں کہ انہوں نے سال 1954 میں افسانہ کو جہاں تک پہنچایا تھا ابھی تک وہیں پر کھڑا ہے بلکہ میں اپنی جانب سے یہ بھی کہتا ہوں کہ نہ صرف کھڑا ہے بلکہ اس کی جانب دیکھ بھی رہا ہے اور جب ان کا شعر مجموعہ (سباؤن) مرحوم ایوب صابر کے سامنے آیا تو بے ساختہ کہہ گئے "جینیس" ہیں اور جب پشتونوں نے یہ شاعری پڑھی تو شاہکار نظم، غزل، چاربیتہ پڑھ کر حیران رہ گئے۔ اور جب ہڈسن کی کتاب کے ایک باب کی تلخیص پشتونوں کو "تنقید" کے نام سے پیش کی تو لوگوں نے گرم پکوڑوں کی طرح ہاتھوں ہاتھ لی۔ جب حکومت کی جانب سے انہیں ڈکشنری کا کام حوالے کیا گیا تو "دریاب" (پشتو

لغت) کی شکل میں ایک مستند ڈکشنری پشتونوں کو دے گئے۔ غرض یہ کہ جو کام بھی ان کے حوالے کیا گیا انہوں نے اس کے ساتھ پورا پورا انصاف کر کے حق ادا کیا۔ اللہ نے ان کے ہر کام میں برکت ڈالی کیونکہ کامل کی ہم نشینی کا برکتی کبھی بے برکت نہ ہوگا۔"

(قلندر مومند: ص68, 69)

م۔ ر۔ شفق

"قلندر مومند صحیح معنوں میں ایک ادیب اور ممتاز نقاد ہیں۔ ان کی یہ حیثیت تسلیم کرتے ہوئے بات کھل جاتی ہے کہ اپنے دور کے تمام علوم وفنون پر قلندر صاحب کی گہری نظر ہے چنانچہ ان کے ساتھ سینگ اڑانا آسان بھی نہیں۔ اسی طرح پشتو شعراء کا تو کوئی شمار ہی نہیں۔ اور بلا شبہ دوسرے شاعروں نے بھی مختلف اصناف سخن پر طبع آزمائی کی ہے لیکن ایسے شاعر بہت کم ہیں یا انگلی پر گنے جا سکتے ہیں جو قلندر صاحب کی طرح استاد فن کہلائے اور تخلیقی سرچشموں سے فیض بھی پائے۔ انہوں نے اپنی شاعری میں میں بحور، صنائع بدائع، تلمیحات، استعارات۔ دیگر فنی لوازمات۔ ادبی اور تہذیبی روایات کے ساتھ ساتھ تنقیدی شعور کا خاص خیال رکھا ہے بلکہ اس معاملے میں کمال احتیاط کا یہ عالم ہے کہ اگر غزل میں مقطع نہ ہو یا غزل کے اشعار جفت ہوں تو نیچے "نامکمل" لکھنا ضروری سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے نثری اور شعری فنپارے سند کی حیثیت رکھتے ہیں اور جدید پشتو ادب میں کلاسک کا درجہ حاصل کیا ہے۔"

(قلندر مومند ص:90-91)

روخان یوسفزئی

"قلندر صاحب کی شخصیت کو جن صفات نے زیادہ ممتاز اور مقبول بنایا ہے وہ ادب کے سنجیدہ حلقوں میں ان کی اپنی علمی حقیقت پسندی اور تخلیقات پر پکا اعتبار ہے جو بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ مثلاً ہمارے قدیم شعراء میں اعتماد کا جو مضبوط رشتہ رحمان بابا اور قارئین کے درمیان قائم ہے اتنا مضبوط اور پکا رشتہ

دیگر معتقدین کے ساتھ نہیں ہے۔
تخلیقی، تنقیدی اور تحقیقی آثار میں سب سے زیادہ بنیادی چیز لکھنے والے اور قاری کے درمیان اعتبار کا دھاگہ ہے لیکن یہ اعتماد بھی قاری ہر کسی پر نہیں کرتا بلکہ اس شخصیت پر کرتا ہے جس کی ذات اور صفات میں کوئی تضاد اور کمی بیشی نہ ہو یعنی جس کی ذات اور صفت ایک جیسے ہوں کیونکہ ذات اور صفت کسی بڑی شخصیت کے بننے میں لازم وملزوم ہیں یہی وجہ ہے کہ ادب میں ذات اور صفت کے امتزاج پھر لکھاری کی ذات اس کی اپنی صفات اور صلاحیتوں کا آئینہ دار اور عکاس نہ ہو تو ایسے لکھاری کے وقتی جاذب نظر اور برجستہ الفاظ اور تحریریں چند
ساعت کے لئے سماعت اور بصارت کو ضرور اچھے لگتے ہیں لیکن دل اور دماغ پر یا تو سرے سے اثر انداز ہی نہیں ہو سکتے یا ان کی طبعی عمر اتنی مختصر ہوتی ہے کہ پھر نام کا پتہ لگتا ہے اور نہ نشان کا اس لئے کہ معنی ساتھ نہ ہو تو کلام بے مزہ ہوتا ہے۔''

ڈاکٹر راج ولی شاہ خٹک

''محترم استاد قلندر مومند میرے خیال میں ایک ایسے قدآور شخصیت ہیں کہ ان کے فکر و فن کا احاطہ کرنا ہمارے بس کی بات نہیں اسی سبب سنجیدہ انداز کے ساتھ ان کی شخصیت پر کچھ نہ لکھ سکا کہ انصاف کرنے کا وقت نہ تھا اور نہ اس موقع پر ان کے مقام کا تعین کرنا میرے لئے آسان ہے۔ البتہ اگر غیر علمی، غیر تحقیقی اور غیر تنقیدی غیر سنجیدہ انداز کے ساتھ میں قلندر صاحب کے متعلق کچھ کہوں تو کچھ اس طرح کہونگا:
''محترم قلندر مومند کے ساتھ آشنائی آسان ہے کیونکہ وہ آشنائی کے طریقے جانتا بھی ہے اور اس کو سمجھتا بھی ہے۔ وہ غیرت کرنے اور اسے پالنے کا ایمانی حصہ رکھتے ہیں کیونکہ وہ ایک معزز پشتون ہیں۔''

ایاز داود زے

''ایسے حالات تھے کہ جن میں قلندر صاحب "تنکیالے"، "رھبر" اور "لار" کی ادارتی ذمہ داریاں اپنے مضبوط کاندھوں پر اٹھا لیتے اور اردو کے مشرق اور انجام اخبارات میں بھی قلم کا زور دکھاتے رہے۔ قلندر صاحب تخلیقی ادب کے علاوہ پشتو کے تنقیدی اور تحقیقی ادب کے سرخیلوں میں گنے جاتے ہیں۔ ان کی

ادارت میں اگست، ستمبر 1958 کے مجلّہ "لاڑ" کا تنقیدی نمبر ایک لاثانی کوشش تھی اس سے پہلے پشتو میں تنقید کے حوالے سے مفصل جائزے اور تحریریں میری نظر سے نہیں گزری تھیں۔ یہ مہم قلندر نے سر کی تھی۔ یہ نمبر تنقیدی ادب کے ضمن میں کلاسک کا درجہ رکھتا ہے۔ یہ نمبر چار حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔

1. نظریاتی تنقید 2۔علمی تنقید 3۔نظمیں 4۔غزلیں۔

قلندر صاحب کی مشہور نظم "زۂ تنقید خو به کوومه" (میں تنقید تو کرونگا ہی) پہلی بار اسی نمبر میں شائع ہوئی تھی۔ ''

سعید گوہر

''اس میں شک نہیں کہ "پټه خزانه فی المیزان" کی طرح "د خیر البیان تنقیدی مطالعه" (خیر البیان کا تنقیدی مطالعہ) بھی ایک اعلیٰ تنقیدی اور تحقیقی کاوش ہے اس کے ذریعے بہت سے مغالطوں کا ازالہ ہوا اور روشان شناسی میں مثبت اضافے ہوئے۔ 350 صفحات پر مشتمل اس اہم کتاب میں انہوں نے اصلی خیر البیان سے نئی تالیف تک سیر حاصل کوشش کی ہے۔ روشان اور روشانی تحریک کے محرکات اور حوالے پرکھے اور اپنی دانست کے مطابق فیصلے کئے ہیں۔ یہ اب نقادان اور محققین کا کام ہے کہ وہ ثابت کریں کہ کونسا تشنہ ہے، کون سی دلیل قاطع اور کس کس سے اختلاف کی ضرورت رکھتا ہے۔''

ریاض تسنیم:

'' قلندر مومند کی شاعری کو سمجھنے اور بے شمار شعراء میں اس کے واضح مقام کے تعین کے لئے ان کے سیاسی، سماجی اور فکری سمتوں کے مطالعے کے علاوہ پشتو شاعری کی ماضی اور روایت کی مختلف جہتوں کا بغور جائزہ لینا ضروری ہے۔''

عبد اللہ جان عابد

'' قلندر مومند (2003-1930) کا شمار بھی جدید پشتو شاعری کے صف اول کے شعرا میں ہوتا ہے۔ ترقی پسند تحریک کے زیر اثر، ان کی لکھی ہوئی نظمیں معاشی عدم مساوات، معاشرے کے پسے ہوئے طبقوں کے دکھ درد اور مشکلات

کی ترجمان ہیں۔ نظموں کے علاوہ ان کی غزلیں بھی بلند پایہ خصوصیات کی حامل ہیں۔ وہ غزل کے مزاج شناس تھے، اس لئے انھوں نے اپنی غزلوں میں بھی اس کے صوری اور معنوی تقاضوں کا اہتمام کیا اور فنی لحاظ سے معیاری غزلیں لکھیں۔ ناقدین کے نزدیک ان کی اصل شاعری ان کی غزل میں ہے۔ موزوں تراکیب اور مناسب الفاظ کا انتخاب، صحیح مقام پر ان کا استعمال، فصاحت و بلاغت اور جذبات کی موثر اور فطری انداز میں ترجمانی ان کی شاعری کا خاصہ ہے۔ ان کی شاعری میں زور بیان کی شدت بھی نمایاں ہے اور مزاحتی رنگ بھی۔ ہم وثوق سے یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ پشتو ادب میں ترقی پسند شعراء کے ضمن میں اجمل خٹک کے ساتھ ساتھ ایک اہم تر نام قلندر مومند کا بھی ہے۔"

سلیم راز

"قلندر مومند اپنی علمی وفنی ہمہ گیری، فکر ونظر کی دانائی و بینائی اور اپنے کردار و عمل کی مضبوطی و یکتائی کے حوالے سے ایک ایسی ہمہ گیر، متنوع اور منفرد شخصیت تھے جس کی موجودہ پشتو ادب و صحافت میں خصوصاً اور ملکی سطح پر عموماً کوئی مثال نہیں ملتی، بلکہ اپنی فکری جدوجہد، علمی حیثیت اور عملی قربانیوں کے تناظر میں وہ سبط حسن مرحوم اور فیض احمد مرحوم کے پائے کے روشن خیال عالم، ترقی پسند ادیب، سیاسی مفکر، سماجی سائنسدان اور سلجھے ہوئے دانشور، محقق تاریخ دان اور مورخ تھے، جو پشتو زبان کے بلند پایہ اہل قلم ہونے کے علاوہ اردو اور انگریزی صحافت کے میدان میں بھی اپنا لوہا منوا چکے تھے اور پشتو، اردو، فارسی اور عربی کے عالم ادیب اور نقاد کے طور پر بھی جانے پہچانے جاتے تھے۔ کالج اور یونیورسٹی کی سطح پر انگریزی ادب اور قانون کے استاد اور عوامی اداروں کے علاوہ اعلیٰ سرکاری عہدوں کی تمام اصناف پر قدرت و مہارت کے ساتھ ایک اتھارٹی کی حیثیت رکھتے تھے۔ پشتو نظم اور افسانے کو انہوں نے نئی جہت دی اور نئے روح و جدید اسلوب سے متعارف کرایا اور ان دونوں اصناف کو ایک ایسا فنی معیار اور فکری اعتبار عطا کیا جسے آج تک کوئی چیلنج نہیں کر سکا اور تحقیق و تنقید خصوصاً تاریخ، لسانیات اور ادبیات میں سائنسی انداز فکر اور تاریخی زاویہ نظر کو رواج دے کر

تحقیق وتنقید کو تازہ افکار اور جدید نظریات سے ہم آہنگ اور مالا مال کر دیا۔ انہوں نے قلمی و عملی جدوجہد کے ذریعے تحریر و تقریر کی آزادی، قومی و جمہوری حقوق کے حصول اور ملک میں سیاسی و معاشی فلاحی واستحصال کے خلاف اور مساوات وسماجی انصاف پر مبنی معاشرے کے قیام کیلئے اپنی جوانی کے بہترین سال قید و بند کی صعوبتوں کی نذر کیے۔ ریاستی جبر کے خلاف ہمیشہ صف اول میں رہے اور بیش بہا قربانیاں دیں۔

ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ فرد اور بہت بڑے عالم ہونے کے باوجود تمام عمر معاشی و اقتصادی مشکلات میں مبتلا رہے اور تنگ دستی و بیماری کی حالت میں بھی تخلیقی و تحقیقی معروفیات کے ساتھ ساتھ تنقیدی اجلاسوں میں باقاعدگی سے نئے اور نوجوان شاعروں اور ادیبوں کی تخلیقی صلاحیتوں کو ابھارنے جلا بخشنے اور ان کی فکری رہنمائی کرنے کا فریضہ بھی انجام دیتے رہے ہیں۔''

(روزنامہ مشرق پشاور ۔ ۶ فروری ۲۰۰۳ء)

سعد اللہ جان برق

''ہم ذاتی طور پر قلندر مومند کے بہت زیادہ زیر بار احسان ہیں۔ وہ ہمارے استاد بھی تھے، دوست بھی تھے، سرپرست بھی اور ڈھال بھی، ان کے ہوتے ہوئے ہم نے کبھی خود کو بے آسرا محسوس نہیں کیا۔ جب بھی کوئی مسئلہ ہوتا انہی کے پاس جا کر دل کو تسلی ہوتی تھی۔ ادب میں تو ہم نے ان سے بہت سیکھا، لیکن صحافت کی دنیا میں بھی وہی لائے تھے، نہ صرف لائے تھے، بلکہ ہمیں آگے بڑھانے والے، سکھانے والے اور رہنمائی کرنے والے بھی وہی تھے۔

اس نامراد زندگی نے ان کو ارمانوں اور حسرتوں کے سوا کچھ نہیں دیا تھا۔ ان کی زندگی میں دو تین ہی مواقع ایسے آئے جب ان کی علمیت اور لیاقت کی قدر کی گئی لیکن یہ مواقع بڑے مختصر تھے۔ ایک وہ موقع تھا جب انہیں ڈی آئی خان کی گومل یونیورسٹی میں ایسوسی ایٹ پروفیسر لیا گیا تھا لیکن ایک مذہبی گروپ کے ہاتھوں ان کی خدمات سے زیادہ فائدہ نہ اٹھایا جا سکا اور دوسرا وہ موقع تھا جب ان کی سربراہی میں پشتو ڈکشنری سیل قائم کی گئی اور یہاں انہوں نے پشتو کو ''دریاب''

کے نام سے وہ لغت دی جس کی مثال دنیا کی بہت کم زبانوں میں مل سکتی ہے۔"

(روزنامہ ایکسپریس پشاور،6 فروری 2003)

ڈاکٹر ظہور احمد اعوان

"قلندر مومند تاریخ تھے تاریخ بن گئے انا للہ وانا الیہ راجعون 0 مدت سے صاحب فراش تھے کون نہیں جانتا کہ اس سرائے فانی میں آتے جاتے انسانی سفر sojourn کا بلبلہ کبھی تو پھوٹنا ہوتا ہے، مگر خوش نصیب ہوتے ہیں وہ لوگ جو اس بلبلے کو آبلہ بنا کر زندہ رہتے ہیں اور آبلہ پائی کے باوجود صحرائے حیات کو عبور کر کے نخلستان جاودانی کو جالیتے ہیں۔ قلندر مومند بھی انہی عہد ساز شخصیتوں میں سے تھے۔ میں ان کے کرائے کے ایک شکستہ حال مختصر سے گھر کے باہر ٹمٹماتے قمقموں کی لرزتی مدھم روشنی میں بیٹھے کھڑے آتے جاتے سینکڑوں ہزاروں غم گساروں کو نم آلود آنکھوں سے ایک دوسرے کو پرسا دیتے دیکھ اور سوچ رہا تھا۔ کیا قلندر شخص اٹھا ہے، جو اگر چہ سر نہیں تراشتا تھا، مگر قلندری جانتا تھا۔ علم ادب، صحافت تعلیم و تدریس، فکر و نظر ترقی پسند اور قوم پرست نظریئے کا ایک بلند پایہ سکالر، دانشور، معلم، صحافی اور باعمل۔ انسانی زندگی کے ستر اسی سال اسی جہان فانی میں گزار کر ایسے اٹھے۔۔۔ ایسے نکلے۔۔۔ جیسے پھولوں سے مہک جیسے آنکھوں سے آنسو۔۔۔۔

۔۔ ایک بہت بڑے شاعر ادیب دانشور کے جسد خاکی کو ہم نے خاک کے سپرد کر دیا۔ جسم تو خاک سے مل کر خاک ہو جائے گا مگر علم و دانش فکر نظر، نظریہ قلم کتاب زندہ رہتے ہیں۔ قلندر مر کر بھی امر ہے۔ دوسروں کی زندگیوں کو روشنی بخشنے والے لوگ کبھی مرا نہیں کرتے اور ایسی موت خوش نصیبوں کو ملتی ہے جس کے جنازے میں ہزاروں اہل علم و کتاب سر جھکائے سوگوار یہ سوچ کر چل رہے ہوں کہ وہ اپنے قافلے کے ایک بڑے سالار اور قبیلے کے سردار کے امر ہونے کی گواہی دینے آئے ہیں اور یہ گواہی اب آگے زمانہ مستقل طور پر دیتا رہے گا کہ بلبلہ آبلہ بن کر پھوٹ بہا تھا اس جگہ پھر داغ بنا تھا پھر زخم اور زخم پھر سرو چراغاں بن کر تاریخ کی دوام گاہ میں فروزاں تھا۔"

(روزنامہ آج پشاور، ٦ فروری ٢٠٠٣ء)

ڈاکٹر عنایت اللہ فیضی

"۔۔ جن احباب کو پشاور اور شنگھائی جانے کا اتفاق ہوا ہو وہ اس بات کی شہادت دیں گے کہ شنگھائی میں بیسویں صدی کے چینی قوم پرست افسانہ نگار اور شاعر لوشین (LU-XIN) اور پشاور میں پختون قوم پرست شاعر اور کہانی نویس قلندر مومند کی زندگی، ان کی طرز معاش، رہن سہن اور بودوباش میں حد درجہ مماثلت تھی۔ جون ایلیا نے اپنے پہلے مجموعہ کلام کے پیش لفظ میں ایک مثالیت پسند (IDEALIST) شخصیت کی زندگی کا جو نقشہ پیش کیا ہے۔ دونوں کی زندگی پر وہ صادق آتا ہے۔ افکار

ونظریات، تنہائی اور کتابیں ان کا کل اثاثہ ہوتی ہیں۔ قلندر مومند یکم ستمبر ۱۹۳۰ء کو بازید خیل بڈھ بیر میں پیدا ہوئے۔ پشاور کا ادبی اور علمی مرکز گاؤں کے قریب واقع تھا۔ سرخ پوش رہنما خان عبدالغفار خان کا مرکز چارسدہ بھی زیادہ دور نہیں تھا۔ ذہنی اور فکری نشوونما کے دونوں سرچشموں سے فیض حاصل کیا۔ انگریزی ادب میں ایم۔اے کے بعد قانون کی ڈگری بھی حاصل کی۔ لیکن دونوں ڈگریوں کو ذریعہ معاش نہیں بنایا۔ خدائی خدمتگار رہے لیکن خدائی خدمتگاری کو عہدہ حاصل کرنے کے لیے کبھی استعمال نہیں کیا۔ ایک Idealist یعنی مثالیت پسند اور قناعت پسند انسان کی زندگی گزارنے کیلئے اپنی ڈگری یا اپنے نظریئے کو کسی کاونٹر پر لے جا کر نقدی میں بدلنے یا کیش کرنے کی چنداں ضرورت نہیں پڑتی۔ اور ایک Idealist ہمیشہ وقت کے تھپیڑوں سے ٹکراتا رہتا ہے۔ یہی اس کا سب سے بڑا المیہ اور یہی اس کا سرمایہ افتخار بھی ہوتا ہے۔"

(روزنامہ آج پشاور، 8 فروری 2003)

یونس قیاسی

"قلندر کو ان کی زندگی ہی میں بڑا آدمی اس لئے کہا جاتا تھا کہ ان کا رویہ حکومت وقت کے بغیر سب کے ساتھ انتہائی مثبت تھا۔ وہ مجھے اور قاسم حسرت کو جس خلوص کے ساتھ "کشروردو" (چھوٹے بھائی) کہہ کر مخاطب کرتے اسی عقیدت کے ساتھ ہم انہیں "مشروردو" (بڑے بھائی) کہا کرتے تھے۔ فلمی دنیا سے واپسی پر میں نے جب ریڈیو پاکستان پشاور سے قاضی غلام سرور کی دعوت پر پشتو کا مشہور اصلاحی اور تفریحی پروگرام "خوندرنگ" لکھنا شروع کیا اور گل اور شازیہ کے کرداروں میں اس پروگرام کو حمد اللہ جان بسمل جیسے قابل پروڈیوسروں نے خوبصورتی سے پیش کیا، تو ایک تنقیدی نشست میں قلندر مرحوم سے ملاقات ہوئی، پوچھا آج کل کیا کر رہے ہو؟ میں نے ریڈیو پروگرام کا حوالہ دیا۔ قلندر نے برا سامنہ بنا کر کہا "میں ان دنوں ریڈیو کی بکواسیات قطعاً نہیں سنتا۔" کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہر بات کھلے دل سے کہہ دیا کرتے تھے اور میں قلندر مومند کی اس قسم کی باتیں سن سن کر ایاز داوود زئی سے متفق ہوتا چلا جاتا کہ "قلندر ایسے نقاد ہیں جو کسی کا لحاظ نہیں کرتے،" اور بقول یار محمد مغموم قلندر ایسے راستوں کا مسافر تھا جو انہیں راستوں پر چلتے چلتے اپنی سچائی کے باعث بہت سے ساتھیوں کو داؤ پر لگا کر ہار چکے تھے اور شاید ایسا ہی شاعر یہ شعر کہنے کا حقدار ہے کہ:

ډ غزل غرورنې مات شه رقيبان ئې شريک شور کا
قلندر په غر غره کړ نې قلندر اشتراکي دے

(روزنامہ آج پشاور 26 فروری 2003)

شرف الدین مخلص

''مرحوم قلندر مومند کو میں نے 1954 میں اس وقت دیکھا جب میں کمپٹرولر آفس پشاور میں جونیئر آڈیٹر کی حیثیت سے بھرتی ہوا وہ اس وقت اسی دفتر میں سینئر آڈیٹر کی حیثیت سے کام کر رہے تھے، لیکن پورے دفتر میں ان کی امتیازی حیثیت کا چرچا تھا، وہ ایک مزدور دوست شخصیت کی حیثیت سے جانے جاتے تھے۔ ان دنوں کمپٹرولر دفتر کا عملہ پشاور کے لیے رہائشی الاؤنس اور دیگر رعایتیں حاصل کرنے کی جدوجہد میں مصروف تھا اور قلندر مومند ان مطالبات کی حمایت میں سب سے آگے آگے تھے۔ اس وقت مختلف اکاؤنٹس افسروں نے انہیں ان مطالبات کی حمایت سے باز رکھنے کی کوشش کی اور انہیں بتایا گیا کہ اگر وہ ان کی بات تسلیم کرنے سے انکار کرتے رہے، تو اس کے نتائج ان کے لیے سنگین ہونگے اور پھر وہ دن بھی آیا جب خود اس وقت کے کمپٹرولر نے انہیں اپنے دفتر میں بلا کر ان کے خلاف کارروائی کی دھمکی دی، مگر بے سود۔ کچھ عرصہ اے جی آفس میں کام کرنے کے بعد انہوں نے محسوس کیا کہ وہ ایسے ماحول میں بالکل کام نہیں کر سکتے، جس میں گھٹن ہو اور یہ سوچے بغیر کہ ان کا مستقبل کیا ہوگا، انہوں نے وہاں سے استعفیٰ دے دیا۔ اے جی آفس چھوڑنے کے بعد انہیں اپنے خیالات کی پرچار کرنے اور ان کے لیے کام کرنے کا مکمل موقع ملا۔ یہاں تک کہ انہوں نے اس کیلئے قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔''

(روزنامہ آج پشاور ۱۸ فروری ۲۰۰۳ء)

حافظ ثناء اللہ

''قلندر سے میرا تعارف 1963 میں یعنی آج سے 40 سال پہلے اردو پشتو کے نامور شاعر و ادیب مرحوم ایوب صابر نے کرایا تھا۔ ایوب صابر ہر ہفتہ کوہاٹ سے پشاور جاتے۔ بانگ حرم کا پشتو صفحہ ترتیب دیتے اردو میں فکاہیہ کالم حجرہ لکھتے۔ ایک آدھ مشاعرہ ہوتا تو شریک ہو جاتے۔ سارا کام ایوب صابر قصہ خوانی میں ایک شکستہ بالا خانہ میں کرتے۔ قلندر بھی اسی بالا خانہ میں آتے۔ سارا دن ایوب صابر کے ساتھ گزارتے۔ یہاں سے ہی قلندر اور صابر کی دوستی میں رس گھلتا رہا۔ ایوب صابر واپس کوہاٹ آتے تو قلندر کے گن گاتے۔ قلندر کا نام پشتو شاعروں کی سٹائل والا تھا۔ میں سمجھ رہا تھا بس ایوب صابر کی طرح وہ بھی میٹرک پاس ہونگے مگر میں حیران و ششدر رہ گیا جب ایوب صابر نے بتایا کہ قلندر ایم۔اے انگریزی ہے۔

میں پہلی بار بانگ حرم کے کاتب غلام عباس کے بالا خانہ میں قلندر مومند سے ملا تھا۔ بالا خانہ سے قصہ خوانی کا منظر نظر آ رہا تھا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ قلندر انگریزی سوٹ میں ملبوس ہونگے، کرسی میز پر بیٹھے ہونگے باتوں میں بار بار انگریزی کے الفاظ استعمال کر کے انگریزی دانی کا رعب جماتے ہونگے مگر قلندر تو زمین پر بیٹھے تھے کھدر کے کپڑے پہنے تھے ایم۔اے انگریزی تو لگ بھی نہیں رہے تھے۔ ایوب صابر نے

میرا تعارف کرایا۔ میں اردو میں قلندر سے بات کرنے لگا۔ وہ بھی رواں اردو بولنے لگے۔ اس زمانہ میں اردو میں بات چیت کرنے والوں کو لکھا پڑھا ماڈرن اور فیشن والا سمجھا جاتا تھا اور پشتو میں بولنے والوں کو ان پڑھ بلکہ پسماندہ۔ باتوں باتوں میں قلندر طنزاً کہنے لگے، تم کہاں کے رہنے والے ہو۔ میں نے کہا کوہاٹ کا۔ انہوں نے دوبارہ طنزاً کہا تمہیں پشتو نہیں آتی۔ میں نے کہا کیوں نہیں آتی۔ کہنے لگے۔ تو پھر میرے ساتھ پشتو کیوں نہیں بولتے اور پھر ہم پشتو میں باتیں کرتے رہے۔ مجھے اس وقت قلندر کی اس بات کا احساس نہ ہوا مگر آج سوچتا ہوں قلندر میں پشتو کس قدر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی جو ایک طرف ان کے مجموعہ اشعار سباؤون کی شکل میں ظاہر ہوئی تو دوسری طرف پشتو ڈکشنری کی صورت میں۔"

(روزنامہ مشرق پشاور۔ ۲۰ فروری ۲۰۰۳ء)

حلان مومند

"جس شخص کی ذات کا میں حصہ تھا، جو میری اساس و بنیاد تھا۔ اس سے اپنے کس کس رشتے کا ذکر کروں، کسی کا باپ مرجائے تو اسے صبر آجاتا ہے، مگر فروری کی چار تاریخ کو میرے گھر سے اکٹھے کتنے جنازے اٹھے۔ گن گن کر تھک جاتا ہوں، میرا باپ، میرا دوست، میرا بھائی، میرا لاڈلا، میرا استاد، میرا مرشد، میرا ہم پیشہ و ہم مشرب و ہمراز درجن بھر سے زائد جنازے جب ایک گھر سے ایک ہی چارپائی اور تابوت میں اٹھیں تو حواس کی موت بھی ساتھ ہی واقع ہوجاتی ہے، جو تابوت سامنے پڑا تھا اس میں، میں خود لیٹا ہوا تھا، میں نے اپنے جنازے کو خود کندھا دیا، اپنی نماز جنازہ خود پڑھی اور خود کو دفن بھی کرآیا۔۔

۔۔ان کے بارے میں سب سے بڑا سچ یہی ہے کہ وہ ایک نہایت سچے اور اسی بناء پر کھردری حد تک جری انسان تھے، ان کا فن ان کی سچائی کا منطقی نتیجہ تھا۔ قول و فعل میں حیرت انگریز حد تک یکسانیت نے ان کے جوہر علمی کو بے شک و بالادستی بخش دی تھی۔ انتہائی حد تک بے تکلفی اور خوش مزاجی ان کے مزاج کا جزو لاینفک تھی۔۔۔۔ جب قلم ٹوٹ جائے اور الفاظ مرجائیں، تو خیالات پھر کاغذ کا کفن ہی پہن سکتے ہیں۔ انہیں کائنات کے قرطاس پر زندگی مل نہیں سکتی۔ یہی المیہ ہے جواب بھی جاری ہے اور اس موضوع کے حوالے سے میری آخری سانس تک جاری رہے گا۔"

(روزنامہ آج پشاور۔ ۳۱ مارچ ۲۰۰۳ء)

امیر حمزہ خان شنواری

مترجم : عبدالرئوف عارف

قلندر مومند کی شادی کے موقع پر

اگر تمہیں کسی نے دانا بننے کے لیے کہا ہے تو اچھا ہے
لیکن میں تو کہتا ہوں کہ خدا کا فضل مانگو
دیکھو اس سمندر میں ہمیشہ بیدار آنکھوں سے رہو
اپنے آپ کو سمک کی طرح ہر نحوست سے امان میں رکھیو
شہسواری کے میدان میں بھی بنتے ہو
تمہیں اس مقام پرواز بک کا ہنر حاصل ہو
پہاڑ کی طرح حالات کی سختیوں کے سامنے محکم
''سخت جان قلندر! تجھے تیری عروسی مبارک ہو''

غنی خان (لیونئ فلسفی)

مترجم : عبدالروف عارف

بھائی قلندر!

بھائی قلندر!
کیا سمجھے کہ نیچے کی طرف آرہے ہو یا اوپر
اس میں کیا مضائقہ ہے کہ آدمی بات کرے
دس بلاؤں میں کون سی بلا بہتر ہے
اے بھائی قلندر!
مجھ سے خفا ہے یا مشتنگر سے خفا ہے
کبھی کبھی پشاور سے ہماری خاطر آیا کریں
اچھا ہو جب آدمی کے یار دوست زور آور ہوں
نام، ناموس، کردار و خصلت اور سارا خاندان معتبر ہو

لیکن ان میں ایک میری طرح خودسر ہونا چاہیے
جو ہمیں کوڑی کی طرح نظر بد سے بچائے
اے بھائی قلندر!
یہ تیز وطرار بات
زندان اور قلعہ کے پتھر ایک ہی پہاڑ سے
اے بھائی قلندر!
یہ تو کوئی زور بازو سے چاہتا ہے اور کوئی جگر سے
اچھا ہے کہ میں کمزور ہوں، کمزور بے ضرر ہوتا ہے
ہم نہ دوسروں کو قتل کر سکتے ہیں نہ اپنے بدن پر ذرہ ہے
اے بھائی قلندر!
زیادہ باتوں میں ضرور ایک بات بگڑ جاتی ہے
بس مزید چپ ہو جاؤں گا لیکن یہ حاصل کلام
یہ کیسے سمندر ہیں جن میں کبھی مد ہو کبھی جذر
اس صاحبزادہ ☆ سے کہو اے مرشد کافر
تیرے مرید تاتار اور بربر سے امان پائیں
تیری قیمت بھی زیادہ ہوگی اور دوست بھی بے شمار
یار کوئی اپنے سر کو خان کے لیے داؤ پر نہیں لگاتا
اے بھائی قلندر!
مزید اگر کوئی الجھاؤ ہو تو اسے سلجھاؤ

☆ صاحبزادہ فاروق

قمر رابی

مترجم: محمد زبیر حسرت

میرے یار قلندر!

درختوں پہ ابھی برگ و بار نہیں آیا تھا کلیوں کا سراغ کیا تھا
گرچہ خزاں حالتِ نزع میں تھی لیکن بہار کی کیا نشانیاں تھیں
تمہیں پھولوں میں لپیٹنا چاہیے تھا لیکن

تم پھولوں کی قحط سالی میں رخصت ہو گئے
تم اپنی مٹی پر مر مٹے تھے ہم نے خاک کا کفن پہنا دیا
اب میں کس سے الجھتا رہوں گا کس سے روٹھ جاؤں گا
کس سے شکوے کروں گا، کون مجھ سے معذرت خواہ ہوگا
ایک زمانے میں خوشحال بابا کا گلہ تھا کہ پشتو باکرہ ہے
تم نے گھونگھٹ اٹھا دیا تم ہی زبان کے شہزادے تھے
تم نے اپنی سوختہ جانی سے سیاہ رات کو صبح درخشاں کر دیا
تم نے پشتو کی برہنہ بانہیں گجروں سے مزئین کر دیں
تم نے اپنی تخلیقات سے پشتو کو وقار بخشا
پشتون بے حس ہو گئے لیکن شاید ابھی مردہ نہیں
تم پشتو کے در نایاب تھے تو علم کے دریا تھے
تم زندگی میں جالا وان تھے اب مر کے بھی خلان ہیں
پشتو کی جنگ میں شامل بہت سے شہسوار گزر گئے
کوئی مگر مچھ کے آنسو بہائے مگر ان کے نام زبان پر نہیں لاتے
اب اگر تجھے بھی اسی طرح بھلا دے تو حیرت کی بات نہیں
تو زندگی میں بھی گرفتار قفس تھے قفس تیرا کرائے کا مکان تھا
تم عالم تھے، فاضل تھے، ہنر کار تھے، بڑے فنکار تھے
تم زندگی کے متوالے اور جمال زیست تھے
گرچہ تیری زندگی دوزخ سے عبارت تھی
تم سچ مچ کے قلندر اور ہر حالت میں مطمئن تھے
میں راہی قلندر نہیں ہوں کہ دوزخ سے بیزار ہوں
تیرے ساتھ جو ہوا ہماری حالت اس سے بدتر ہوگی
آج تمہارے قاتل بھی شرمندہ ہیں

حوالہ جات

1 قلندر مومند کے ساتھ انٹرویو "سینا" خیبر میڈیکل کالج پشاور، جلد 36، 2000، 2002، 2003

2 "مورکہ" مردان (سہ ماہی کتابی سلسلہ) شمارہ نمبر 11، مرکہ پبلی کیشنز، میر افضل خان بازار مردان، جنوری۔ مارچ 2003 اداریہ

3 "جرس" "پښتو" (ماہنامہ) پشتو اکیڈمی پشاور یونیورسٹی۔ فروری 2003 اداریہ ص 3-4

4 "جرس" "پښتو" کراچی اپریل۔ جولائی 2003 اداریہ ص ص 4-5

5 روزنامہ "وحدت" پشاور، 6 فروری 2003 اداریہ ص 2

6 صابر، سلطان محمد "د پښتو ادبی نوی ستوری ډوب شو"۔ "قلندر رانہ لاړ" ہفت روزہ "هیواد" اسلام آباد، 10 تا 17 فروری 2003 اداریہ ص 2

7 غمگین، محمد اشرف، "قلندر مومند" ماہنامہ "پښتو" جنوری۔ فروری 2004، ص 46-47

8 حسرت، محمد زبیر، لیک (خط) ڈاکٹر راج ولی شاہ خٹک کے نام "پشتو" مارچ، اپریل، 2003، ص 53-54

9 ایضاً

10 فارغ بخاری، "باچا خان" ناشران: نیا مکتبہ پشاور۔ گوشہ ادب لاہور، طابع نقوش پریس لاہور 1957

11 شوکت صدیقی، "قلندر مومند" اخبار اردو اسلام آباد، خصوصی شمارہ مارچ، اپریل 2003، ص 178

12 قلندر مومند کے ساتھ انٹرویو، روزنامہ "غازی" پشاور۔ ڈیرہ اسماعیل خان، 28 نومبر 1991

13 سلیم راز۔ "قلندر کۀ په رښتیا قلندری کړه" (غیر شائع شدہ مسودہ) مملوکہ مرکہ مردان

14 ایضاً

15 قلندر مومند "سباؤن" (مقدمہ) دوست محمد خان کامل مومند، قومی کتب خانہ شاہین برقی پریس پشاور، 1976 ص ص 362

16 قلندر مومند (خاکہ) "[illegible]" از ایوب صابر ص 21

17 ایاز داؤدزے، "ادبی هڅې" دانش کتب خانہ قصہ خوانی پشاور، 2002، ص 105 تا 107

18 کاکاخیل،سید تقویم الحق،"قلندر مومند.فن او شخصیت"،مرتب:م۔ر۔شفق،پشتو ادبی سوسائٹی اسلام آباد،1994،ص17

19 قمر راہی قمر الزمان"هم هغه قلندر درته یاراتو یادووم"(خاکہ)مشمولہ"قلندر مومند"مرتبین:مشتاق مجروح یوسفزئی اور محمد زبیر حسرت۔"ذساهو لیکوالو مرکه"۔"ذ ادبی دوستانو مرکه" مردان 2000، ص 53-54

20 ایضاً

21 محمد زبیر حسرت"ذقلندر مومند عظمت"۔ مقالہ:مشمولہ سہ ماہی"جرس"پشتو۔ کراچی،اپریل تا جون 2003،ص 8تا12

22 قلندر مومند،ژوندانی"قلندر ریسرچ سیل 2004طلیپ۔

23 "سباؤن"(شعری مجموعہ)اول ایڈیشن ص نمبر75

24 گیارویں صدی کے بعد جمرود اور باڑہ کے قرب و جوار میں محمود قلندر نامی ایک شاعر گزرے ہیں جو قوم کے آفریدی تھے اور حمید بابا کے مانے ہوئے شاعر تھے۔انہوں نے ایک بہترین دیوان چھوڑا ہے۔
"پښتانه شعرا" عبدالحئی حبیبی،تلخیص:"اجمل خٹک"اول ایڈیشن ص نمبر(222)

25 مرحوم محمود قلندر اپنے شیریں اشعار اور عوامی لب و لہجہ سے اکثر مشاعروں اور ادبی محفلوں میں سنے اور پسند کئے جاتے تھے۔ان کے اکثر اشعار اردگرد کے دیہاتوں کے لوگوں کو یاد ہیں۔ان کا دیوان ابھی نہیں چھپا۔

26 بڈھ بیر باڑہ مومند کا مشہور گاؤں ہے جو پشاور سے جانب جنوب تقریباً آٹھ کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔

27 وہ کسی کی بات کہ"وہ اگر کثیر الاعداء ہے تو کثیر الاحباء بھی ہے۔"

28 قلندر مومند فن اور شخصیت تقویم الحق کاکاخیل مقالہ قلندر مومند ص نمبر246

29 "پښتانه لیکوال"۔مولف،ھمیش خلیل دوئم ایڈیشن ص نمبر273

30 قلندر مومند فن اور شخصیت۔سلطان محمد صابر،مقالہ۔قلندر کی صحافت۔ص نمبر71

31 "قند"۔مردان۔قمر راہی۔جنوری۔فروری1972

32 قلندر مومند"ذ سباؤن زیرے"(نوید سحر)سباؤن پر دوست محمد کامل کا سریزہ۔اول ایڈیشن۔ ص نمبر11

33 ایضاً

34 قلندر مومند فن اور شخصیت۔قلندر مومند سے انٹرویو۔عبدالغنی خٹک ص نمبر 116

35 میاشتنی مجله"پښتو"(ماہنامہ پشتو)،اعتراف نمبر۔مجید اللہ خلیل کا مقالہ"هغه قلندر درته یاراتو یادووم"ص نمبر182

36 اجمل خٹک "پشتو ادب"سنگ میل۔سن اشاعت ندارد۔صفحہ نمبر70

37 "سباؤن"۔اول ایڈیشن ص نمبر65

38 ایضاً ص نمبر 68

39 ایضاً ص نمبر 77

40 ایضاً ص نمبر 81

41 اس شعر میں صنعت تلمیح کتنے خوبصورت انداز سے استعمال ہوا ہے۔

42 "سباؤن" اول ایڈیشن ص نمبر 73

43 ایضاً ص نمبر 79

44 ایضاً ص نمبر 114

45 ایضاً ص نمبر 114

46 ایضاً ص نمبر 108

47 ایضاً ص نمبر 111

48 قلندر مومند کے غیر مطبوعہ اشعار داد محمد دلسوز کے شکریہ کے ساتھ

کۀ هم څو مې قلندر مومند اشنا دے
خو تابع يم ذ غزل ذ شهنشاه زۀ

(داد محمد دلسوز)

ترجمہ:

ہر چند کہ قلندر مومند میرے آشنا ہیں
لیکن میں شہنشاہ غزل کے تابع ہوں۔

49 اولسی ادبی جرگہ کے تنقیدی اجلاسوں کی روداد (سال 1952 تا 1957) انتخاب عبدالکافی ادیب ص نمبر 129

50 ایضاً ص نمبر 232

51 بشکریہ داد محمد دلسوز۔ قلندر کے ایک غزل کے چند اشعار

52 "سباؤن" اول ایڈیشن ص نمبر: 70

53 "دفکر ونو ډیوې" (چراغ فکر) کامل کا شعری مجموعہ مرتب کنندہ همیش خلیل۔ ص نمبر 21

54 ''سباؤن''۔ دوسرا ایڈیشن ص نمبر 91

55 "دفکر ونو ډیوے"۔ ص نمبر 17

56 "دفکر ونو ډیوے"۔ ص نمبر 21

38 ایضاً ص نمبر 68

39 ایضاً ص نمبر 77

40 ایضاً ص نمبر 81

41 اس شعر میں صنعت تلمیح کتنے خوبصورت انداز سے استعمال ہوا ہے۔

42 "سباؤن" اول ایڈیشن ص نمبر 73

43 ایضاً ص نمبر 79

44 ایضاً ص نمبر 114

45 ایضاً ص نمبر 114

46 ایضاً ص نمبر 108

47 ایضاً ص نمبر 111

48 قلندر مومند کے غیر مطبوعہ اشعار داد محمد دلسوز کے شکریہ کے ساتھ

کهٔ هم شو مې قلندر مومند اشنا دے
خو تابع يم د غزل د شهنشاه زهٔ
(داد محمد دلسوز)

ترجمہ:

ہر چند کہ قلندر مومند میرے آشنا ہیں
لیکن میں شہنشاہ غزل کے تابع ہوں۔

49 اولسی ادبی جرگہ کے تنقیدی اجلاسوں کی روداد (سال 1952 تا 1957) انتخاب عبدالکافی ادیب ص نمبر 129

50 ایضاً ص نمبر 232

51 بشکریہ داد محمد دلسوز۔ قلندر کے ایک غزل کے چند اشعار

52 "سباؤن" اول ایڈیشن ص نمبر: 70

53 "دفکرونو ډیوې" (چراغ فکر) کامل کا شعری مجموعہ مرتب کنندہ ھمیش خلیل۔ ص نمبر 21

54 "سباؤن" ۔ دوسرا ایڈیشن ص نمبر 91

55 "دفکرونو ډیوے" ۔ ص نمبر 17

56 "دفکرونو ډیوے" ۔ ص نمبر 21

38 ایضاً ص نمبر 68

39 ایضاً ص نمبر 77

40 ایضاً ص نمبر 81

41 اس شعر میں صنعت تلمیح کتنے خوبصورت انداز سے استعمال ہوا ہے۔

42 "سباؤن" اول ایڈیشن ص نمبر 73

43 ایضاً ص نمبر 79

44 ایضاً ص نمبر 114

45 ایضاً ص نمبر 114

46 ایضاً ص نمبر 108

47 ایضاً ص نمبر 111

48 قلندر مومند کے غیر مطبوعہ اشعار داد محمد دلسوز کے شکریہ کے ساتھ

کهٔ هر څو مې قلندر مومند اشنا دے
خو تابع يم د غزل د شهنشاه زهٔ
(داد محمد دلسوز)

ترجمہ:

ہر چند کہ قلندر مومند میرے آشنا ہیں
لیکن میں شہنشاہ غزل کے تابع ہوں۔

49 اولسی ادبی جرگہ کے تنقیدی اجلاسوں کی روداد (سال 1952 تا 1957) انتخاب عبد الکافی ادیب ص نمبر 129

50 ایضاً ص نمبر 232

51 بشکریہ داد محمد دلسوز۔ قلندر کے ایک غزل کے چند اشعار

52 "سباؤن" اول ایڈیشن ص نمبر: 70

53 "دفکر ونو ڈیوې" (چراغ فکر) کامل کا شعری مجموعہ مرتب کنندہ ھمیش خلیل۔ ص نمبر 21

54 "سباؤن" ۔ دوسرا ایڈیشن ص نمبر 91

55 "دفکر ونو ڈیوے"۔ ص نمبر 17

56 "دفکر ونو ڈیوے"۔ ص نمبر 21

78 "ادبی انخور".. پروفیسر سیال کاکڑ. ص: 141

79 "پتہ خزانہ فی الحقیقت"ص: 47

80 ایضاً ص نمبر:154

81 ایضاً ص:93

82 قلندر مومند فن اور شخصیت۔ سید تقویم الحق کاکا خیل ص نمبر 18

83 پاک جرمن پراجیکٹ کے درسی کتب کے ریویو کے لئے اسلام آباد کریکولم ونگ سے ریویو کمیٹی آئی تھی کمیٹی میں پشتون شاعر ادیب قاسم مظہر بھی آئے تھے انہوں نے لغت اور املا کے حوالے سے کچھ اعتراض بھی کیے جس میں ''خوشحال'' بھی شامل تھا انہوں نے کہا کہ صحیح املا ''خوشال'' ہے۔ میں نے فون کے ذریعے قلندر مومند سے پوچھا تو انہوں نے کہا عجیب بات ہے بازہ گلی میں تو یہ لوگ یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ دوسری زبانوں کے الفاظ ان ہی کے املا میں لکھے جائینگے اب اس پر خود عمل نہیں کرتے۔

84 ابتدا میں لوگوں کو یہ شک پڑ گیا تھا کہ قلندر ''دریاب'' کو بھی خواہ مخواہ اپنی مخصوص طرز تحریر میں چھپوائینگے لیکن پروفیسر تقویم الحق کاکا خیل لوگوں کو یہ تسلی دیا کرتے تھے کہ پہلے تو وہ ایسا کرینگے نہیں اگر کر بھی لیں تو ڈکشنری ایک جاری عمل ہے بعد میں ہم اس کی دوسری ایڈیشن مروجہ (معیاری) رسم الخط میں چھپوالیں گے.

85 زیادہ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے راقم الحروف کا "دریاب'' پر تبصرہ روزنامہ ''فرنٹیر پوسٹ"پشاور 7 نومبر 1995

86 دیگر تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے زبیر حسرت کا رپورتاژ "له مردانه تر مردانه"(مردان سے مردان تک) ستمبر 1993 د ادبی دوستانو مرکه مردان

87 ڈاکٹر جمیل جالبی ''ارسطو سے ایلیٹ تک''

88 قیوم مروت "پښتو مخونه"ص نمبر19

89 ہمیش خلیل "زما سندرې" (میرے گیت)

90 محمد زبیر حسرت"ډاکټر امین یوه مطالعه"ډ شا پاڅوه(ڈاکٹر امین ایک مطالعہ)(بیک ٹائٹل

91 شیر محمد مومند "خوارهٔ خیالونه"(بکھرے خیالات)

92 محمد زبیر حسرت "قصه خوانه"ډ شا پاڼه"(قصہ خوانی)(بیک ٹائٹل)

ان حوالہ جات کے علاوہ قلندر صاحب کی کتابوں، نظریات، تنقید، پتہ خزانہ فی الحیز ان، ذخیر البیان تنقیدی مطالعہ (ذخیر البیان کا تنقیدی مطالعہ)، رحمان بابا او ذ حضرہ رجائیت (رحمان بابا اور ان کی رجائیت) مقالہ مطبوعہ ماہنامہ گلستان کوئٹہ جنوری 1957 اور د "غزونې" "سریزه" زمونږ عهداو ذ حمزه مقام"۔(غزونے کا پیش لفظ۔ ہمارا عہد اور حمزہ کا مقام) کا مطالعہ کیا جائے۔

68 گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

مرحوم مولانا عبدالقادر کی کوششوں سے پشاور یونیورسٹی میں ایم۔اے پشتو کی کلاس سال 1961ء میں پشتو اکیڈیمی کی پرانی عمارت میں شروع ہوئی۔اس شعبہ کا نہ دفتر تھا،نہ کمرہ جات اور نہ ہی اساتذہ۔کلاسیں تنگ سے دفتر کے صحن میں لگتی تھیں۔اکیڈمی کے ملازمین پروفیسر پریشان خٹک،مولوی اسرائیل اور مرحوم قاضی ہدایت اللہ اس کے اعزازی پروفیسران تھے جبکہ مولانا عبدالقادر اعزازی چئیرمین اس وقت طلباء کی تعداد 29 تھی۔

69 اس طرح سکاٹ جیمز کی تصنیف(The making of litrature) بھی یہی انداز رکھتی ہے۔اردو میں سید عابد علی کی تخلیق "اصول انتقاد ادبیات" بھی ذکر شدہ کتابوں کے انداز پر لکھی گئی ہے۔

70 ښنګه کامل به ښکلے نۀ وی وایه
چي هر تخلیق ئې مکمل ښکلے دے
زۀ قدردان ذ قلندر هم یمه
چي ذ تنقید ئې هر تکل ښکلے دے
خکه خو ښکلے دے غزل ذ داود
چي ذ حمزه صاحب غزل ښکلے دے

ترجمہ:

بتا کامل کس طرح خوبصورت نہ ہوگے
کہ جس کی ہر تخلیق خوبصورت ہے
میں قلندر کا بھی قدردان ہوں
کہ ان کی تنقید کا انداز خوبصورت ہے
اس لئے تو داؤد کی غزل میں خوبصورتی ہے
کہ حمزہ کی غزل خوبصورت ہے

71 دیوان عبد الرحمان بابا. سریزه:مولانا عبد القادر. اکیډیمی چاپ

72 پشتو کا قلمی نسخہ۔حبیب اللہ رفیع

73 "ذ ابو القاسم دیوان". قلندر مومند کی تدوین وترتیب۔

74 ایضاً۔صفحہ:95

75 "ذ محمدی صاحبزاده دیوان" ترتیب وتدوین:قلندر مومند۔ص:126

76 ایضاً۔ ص:227

77 "مقدمه"(ذ ابو القاسم دیوان)

کتابیات

1. اٹک کے اس پار۔ فارغ بخاری، رضا ہمدانی، خاطر غزنوی۔ سنگ میل پشاور۔1950
2. "ادبی ھڅې" (ادبی کاوشیں)2003
3. "اولسی ادبی جرگه"(تحقیق وتنقید)1988
4. باچا خان.. فارغ بخاری، نقوش پریس لاہور
5. "باچا خان او خدائی خدمتگاری"۔خان عبدالولی خان ، پشاور1974
6. "پاسنۀ کانې" (گداز پتھر)۔رومان ساغر۔پشاور۔1988
7. "پت"(غیرت) میر مهدی شاہ مهدی۔پشاور۔1959
8. "پټ مخونه"(پوشیدہ چہرے)۔قیوم مروت۔پشاور۔1988
9. "پټه خزانه" مرتب: عبدالحئی حبیبی، کابل، افغانستان
10. 'پټه خزانه فی الحقیقت" سعید گوہر . 1988
11. 'پټه خزانه فی المیزان" قلندر مومند، پشاور، 1988
12. پس چہ باید کرد۔ترجمہ: سید تقویم الحق کاکاخیل۔پشتو اکیڈیمی پشاور
13. "پښتانۀ لیکوال" (پشتون لکھاری)1958 همیش خلیل۔پشاور۔1958
14. "پښتو افسانه" (تحقیق وتنقید)۔محمد اعظم اعظم۔پشاور۔1976
15. "په تله کښې پارسنگ". سید محمود ظفر۔چارسدہ۔1996
16. "تږے نظر"(پیاسی نگاہ)۔امتیاز احمد عابد۔مردان۔1992
17. "تنقید" (ترجمہ) قلندر مومند۔پشاور۔1963
18. "توریالے پښتون". پښتو ټولنه. کابل. افغانستان. 1350ھ۔ش
19. "تول پارسنگ" ہمیش خلیل۔پشاور
20. "ځلانده ستوری"(چمکتے ستارے) اخونزادہ فرمان مسافر۔چارسدہ
21. "ځیګر خون"(خون جگر)۔ایوب صابر۔پشاور۔1973

22 "حقیقت دا دے" 1998

23 "خوارۀ خیالونه" شیر محمد خان۔پشاور۔1983

24 "ذ ابو القاسم دیوان". ترتیب وتدوین۔قلندر مومند۔پشاور۔1985

25 "ذ اولسی ادبی جرگې رودادونه". عبدالکافی ادیب۔پشاور۔1991

26 "ذ پتې خزالې میزان رښتیا میزان دے". محمد آصف صمیم۔زرین انزور۔پشاور۔1990

27 "ذ خوشحال فرهنگ". یار محمد مغموم خٹک۔پشاور۔1985

28 "ذ خیر البیان تنقیدی مطالعه" ۔قلندر مومند۔پشاور۔1988

29 "ذ رحمان بابا کلیات"ترتیب و تدوین:دوست محمد خان کامل مومند۔قلندر مومند۔پشاور۔1984

30 "ذ رحمان بابا نوم خود" محمد آصف صمیم۔پشاور۔1986

31 "دریاب" (پشتو لغت)۔قلندر مومند۔فرید صحرائی۔پشاور۔1994

32 "ذ زمکې قصی"(زمین کی کہانی)۔قلندر مومند۔پشاور۔1981

33 "ذ محنت قدر". قلندر مومند۔پشاور۔1981

34 "ذ سلگو په شور کښې"(سسکیوں کے شور میں) خان بهادر حسرت۔(قلمی مسودہ)

35 "ذ غنی کلیات". غنی خان۔کابل۔افغانستان۔1986

36 "ذ قصه خوانی گپ"1986. منشی احمد جان۔ترتیب و مقدمہ:قلندر مومند۔پشاور 1986

37 "ذ محمدی صاحبزاده دیوان". ترتیب وتدوین:قلندر مومند۔پشاور۔1985

38 "ڈاکټر امین یوه مطالعه"ترتیب وتدوین:محمد زبیر حسرت۔مردان۔1994

39 "رحمان بابا". دوست محمد خان کامل مومند۔پشاور۔

40 "رحمان پوهنه"993. (رحمان شناسی)۔(مقالات)۔پشاور۔1993

41 "رڼائی"(اجالا)۔قلندر مومند۔پشاور۔2004

42 "زر کاڼے" (کھوٹی) مشتاق مجروح یوسفزئی۔پشاور۔

43 "زما سفر نامه" قانتہ بیگم۔پشاور۔1977

44 "زما سندرې"(میرے گیت)۔ھمیش خلیل۔پشاور۔1973

45 "ساختنی". (نقارہ)۔مفلس درانی۔پشاور۔

46 "سباوون". قلندر مومند. پشاور۔ 1976

47 "سلگی" (سسکیاں)۔ امیر حمزہ خان شنواری۔ پشاور۔ 1989

48 "سندھی ژبہ او ادب" (سندھی زبان وادب)۔ پشاور۔ 1981

49 "سیمینار". (مقالات)۔ کوئٹہ۔ 1992

50 1630. دوست محمد خان کامل مومند۔ پشاور۔ 1985

51 "غزلزار" محمد زبیر حسرت۔ مردان۔ 1990

52 "غزونې" (انگڑائی)۔ امیر حمزہ خان شنواری۔ پشاور۔ 1956

53 "قصہ خالہ"۔ محمد زبیر حسرت۔ مردان۔ 1988

54 "قلندر مومند" ترتیب وتدوین: محمد زبیر حسرت۔ مشتاق مجروح یوسفزئی۔ پشاور۔ 2000

55 "قلندر مومند ژوند او فن"۔ اسلام آباد۔

56 "قصې". قلندر مومند۔ پشاور۔ 1981

57 "کتابونہ دربابونہ" (اول توک). حبیب اللہ رفیع۔ پشاور۔ 1997

58 "گجرې" (گجرے) قلندر مومند۔ پشاور۔ 1959

59 "گل پرهر"۔ (پھول زخم)۔ اجمل خٹک۔ افغانستان۔ 1985

60 "لہ مردانہ تر مردانہ" (مردان سے مردان تک)۔ (رپورتاژ)۔ محمد زبیر حسرت۔ مردان۔ 1993

61 "مرکہ نامہ" محمد نسیم خان۔ اظہر۔ پشاور۔

62 "مزل" لعل زادہ ناظر شنواری۔ پشاور

63 "میکیجھ" قلندر مومند۔ تاترہ۔ پشاور۔

64 "میزان". قلندر مومند۔ (قلمی مسودہ)

65 "میلینیم او کرزما ذ سوات پہ پښتو کښې سید تقویم الحق کاکاخیل۔ قلندر مومند۔ پشاور۔ 1988

66 "نظمیات". ترجمہ. قلندر مومند. پشاور. 1963

67 "نقشونہ" (خاکے)۔ محمد زبیر حسرت۔ مردان۔ 1999

68 "نمر پہ چنارونو"۔ عبداللطیف سیماب۔

69 "هاشم بابر ذ خپل فن پہ آینہ کښې"۔ اسلام آباد۔ 1989

70 "هذا ما کنزتم" (نقد)۔ مشتاق مجروح یوسفزئی۔ پشاور۔ 1997

71 "هغه دغه" ـ منشی احمد جان ـ ترتیب ومقدمہ: قلندر مومند ـ پشاور 1986
72 "خوشحال خان خٹک" (اردو) ـ دوست محمد خان کامل مومند ـ پشاور ـ
73 "صرف شرفاء کے لئے" ـ قیوم مروت ـ پشاور ـ 1997

رسالہ جات

1۔ سہ ماہی ادبیات۔ اسلام آباد۔

2۔ "اخبار اردو"۔ اسلام آباد

3۔ "ماہنامہ "اسلم" پشاور

4۔ "الفلاح" ماہانہ پشتو ایڈیشن۔ پشاور

5۔ "انقلاب" ماہانہ پشتو ایڈیشن۔ پشاور

6۔ ماہنامہ "پښتو"۔ پشاور یونیورسٹی۔ (پشتو اکیڈمی)

7۔ ماہنامہ "پښتون" پشاور۔

8۔ سہ ماہی "لماس" کوئٹہ

9۔ پندرہ روزہ "تنظیم" صوابی

10۔ سہ ماہی "جرس" کراچی

11۔ ماہنامہ "چغہ"۔ کراچی

12۔ ماہنامہ "ژوند" پشاور

13۔ دو ماہی "سپیدی" پشاور

14۔ سہ ماہی "سکام" پشاور

15۔ سالنامہ سحرین پشاور

16۔ سالنامہ "سینا" پشاور۔

17۔ پندرہ روزہ "غنچہ" پشاور

18۔ ماہنامہ "قند" مردان

19۔ ماہنامہ "لار" پشاور

20۔ ماہنامہ "لیکوال" پشاور

21۔ سہ ماہی "مرام" مردان

22۔ سہ ماہی "مرکہ" مردان

23۔ دوماہی "ننگ ناموس" مردان

24۔ ماہنامہ "ننگیالے" پشاور

اخبارات

1۔ "الوحدت" پشاور

2۔ روزنامہ "انجام" پشاور

3۔ روزنامہ "انقلاب" پشاور

4۔ روزنامہ "بانگ حرم" پشاور

5۔ روزنامہ "خیبر میل" پشاور

6۔ روزنامہ "شہباز" پشاور

7۔ ہفت روزہ "غازی" پشاور

8۔ روزنامہ "میدان" پشاور

9۔ روزنامہ "وحدت" پشاور

10۔ هفت روزہ "هھواد" پشاور

11۔ روزنامہ "آج" پشاور

12۔ روزنامہ "ایکسپریس" پشاور

13۔ هفت روزہ "روشن پاکستان" کراچی ۔

14۔ روزنامہ "فرنٹیر پوسٹ" پشاور

15۔ روزنامہ "سٹیٹس مین" پشاور

16۔ روزنامہ "مشرق" پشاور

17۔ روزنامہ "جنگ" راولپنڈی

18۔ روزنامہ "صبح" پشاور

19۔ هفت روزہ "جمہوریت" پشاور

20۔ هفت روزہ "پشتون" پشاور

21۔ ہفت روزہ "قیادت" مردان۔ پشاور

22۔ ہفت روزہ "نقیب" پشاور